جواہر
سے
لال تک
نذیر بنارسی

جواہر سے لال تک

نذیر بنارسی

قیمت :- پانچ روپے

فروری ۱۹۶۷ء

انتساب
شہیدانِ وطن کے نام

پیغامات

عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۴۶	گوندھا ہے جو بوڑھے مالی نے وہ ہار نہ ٹوٹے ساتھی	۱۸۹
۴۷	دیش سنگار	۱۹۱
۴۸	تاشقند کے بعد	۱۹۴
۴۹	ہر اک مشکل کو اب آساں بنا سکتے ہیں ہم دونوں	۱۹۵

نوٹ

"مانجھی جو مر گیا ہے تو دریا اداس ہے" والی نظم غلطی سے دوبارہ چھپ گئی ہے اور "ہولی کا دوسرا رُخ" "جو" پاکستان کو ہولی کی دعوت" کے بعد شائع ہونا چاہیئے تھی۔ غلطی سے صفحہ ۱۴۰ پر آگئی ہے۔

RASHTRAPATI BHAVAN,
NEW DELHI-4.
August 25, 1966.

Dear Sri Nazir Banarasi,

Thank you for your kindness in sending me a copy of your book "GANG-O-JAMAN".

I am glad to know that you are publishing another book in Hindi of poems you have written in memory of those who laid down their lives during the freedom movement and during the recent conflict with Pakistan. I have no doubt your contribution will be valuable.

With the best wishes,

Yours sincerely,
S. Radhakrishnan

مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے
کہ نذیر بنارسی گنگ و جمن کے بعد اپنا
دوسرا مجموعۂ کلام "جواہر سے لعل تک"
شائع کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے
کہ حالیہ ہند و پاک جنگ تحریک
آزادی اور قوم کے شہیدوں
کی یاد میں لکھی ہوئی یہ نظمیں ہمارے
ادب میں ایک بیش قیمت اضافہ
ثابت ہوں گی۔

ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن

نذیر بنارسی کی نظموں کا مجموعہ "جواہر سے لال تک" میں
نے بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ ان کی ان قومی نظموں میں
حب الوطنی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ وہ عوامی
شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں ہمیں جنتا کے دل کی دھڑکنیں سنائی
دیتی ہیں۔ چونکہ ان کا خطاب جمہور سے ہوتا ہے اس لئے وہ
ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جنھیں شمالی ہند کے دیہاتی بھی اچھی
طرح سمجھ سکتے ہیں۔ سادہ صاف اور سلیس۔ کہیں کہیں خطابت
کا رنگ ہے۔ جس سے زور بیان میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔

نذیر بنارسی کے کلام میں اردو اور ہندی ایک ہو
گئی ہے جسے ہندوستانی کہہ سکتے ہیں۔ جس میں ادق اور
بوجھل لفظ نام کو نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ان کی اکثر نظموں
کو پڑھنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ مجمع کو خطاب کرنے
کے لئے کہی گئی ہیں۔ اگر وہ پڑھنے والوں کو بھی پیش نظر
رکھیں تو ان کے کلام کی افادیت اور بڑھ جائے۔ نذیر
بنارسی کی شاعری سے قومی یکجہتی کے مقاصد کو فروغ دینے
میں بڑی مدد مل سکتی ہے

مجھے پوری توقع ہے کہ نذیر بنارسی کے کلام سے

اہل ملک پورا فائدہ اٹھائیں گے اور حب وطن کے جذبات
کو اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنائیں گے۔ ان کے کلام
کی صحیح قدردانی یہی ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین

نائب صدر جمہوریہ ہند

۷ر اکتوبر ۱۹۶۶ء

راج بھون

جے پور

مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء

جو اک جہان کے ٹوٹے دلوں کی ڈھارس ہے

ہمیں ہے ناز کہ اپنا ہی وہ بنارس ہے

اس شعر میں نذیر صاحب نے اُس وارانسی کی چرچا کی ہے جس کے وہ ایک شہرت یافتہ شہری ہیں اور جس کے ایک کونے میں میں بھی رہتا ہوں۔ ایک ہی شہر میں رہنے کی وجہ سے میرا ان کے اوپر ناز کرنا فطری امر ہے۔ لیکن صرف اتنی ہی بات نہیں ہے۔ میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں شاعر کو پرکھنے والا نہیں ہوں اور اردو ادب میں میرا بہت کم دخل ہے۔ مگر پھر بھی جب کبھی نذیر صاحب کی نظموں کو سننے کا موقع ملتا ہے اور ایسا موقع کئی بار مل چکا ہے۔ تو بے ساختہ طبیعت اس طرف کھنچ جاتی ہے۔ ایک تو انکی تصنیف ان سب خوبیوں سے سجی ہوئی ہوتی ہے جو میری سمجھ میں شاعروں کو دل تک پہنچا دیتی ہیں۔ وہ جن مضمونوں کو منتخب کرتے ہیں وہ خود دلکش ہوتے ہیں اور پھر تصنیف

ہ مصنف نیکو کند بیاں"۔ جب کبھی خود ان کی لکھی ہوئی کوئی چیز
سننے کا موقع مل جاتا ہے تو ایک سماں عجیب سا بندھ جاتا ہے
ان کی نظموں کا یہ مجموعہ اب ان پڑھنے والوں کے سامنے بھی
آسانی سے آ سکے گا جو اردو رسم الخط سے واقف نہیں ہیں ۔
زبان تو اتنی آسان ہے کہ شاید ہی کسی کو کبھی کٹھنائی ہو گی۔
یہ مجموعہ لوک پریہ ہوگا ایسی مجھ کو پوری آشا ہے ۔ یہی کیا مجھ
کو تو اس بات کا پورا بھروسہ ہے کہ ابھی ہم کو نذیر صاحب کی قلم[1]
سے اور بھی ایسی ہی سندر اور ولولہ انگیز اور حوصلہ بخش
نظمیں دیکھنے کو ملیں گی ۔

سمپورنا نند

(1) "قلم" ہندی میں مؤنث ہے

میرے دوست شری نذیرؔ بنارسی نے آزاد بھارت کے پہلے پردھان منتری شری جواہر لال جی اور لال بہادر شاستری کی مقدس یاد میں اپنا مجموعۂ کلام 'جواہر سے لال تک' کے نام سے بڑی حسین اور سلیس زبان میں قلم بند کیا ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ شاعر کو کاشی اور پریاگ کی قدیم روایات کتنی عزیز ہیں اور ان کے بارے میں ان کی معلومات کتنی وسیع ہیں۔ درحقیقت نذیرؔ صاحب نے ہندی اور اُردو زبانوں کا اچھا امتزاج پیش کیا ہے۔ اگر ان کے لئے یہ کہا جائے کہ وہ ہندو مسلم ایکتا کے سچّے علمبردار ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ان دونوں شخصیتوں کو خراج عقیدت تو پیش کیا ہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کے اہم واقعات پر بھی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ ایک طرح سے اس کے ذریعہ ہمیں اپنی جنگ آزادی کی تاریخ بھی معلوم ہو جاتی ہے اور ان کے اہم خیالات کو جاننے اور سمجھنے کا اچھا موقع بھی ملتا ہے۔

میں اس مجموعہ کے لئے نذیرؔ صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کی اچھی طرح اشاعت ہوگی،

زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھینگے اور فائدہ اٹھائینگے، سبھی دیش بھگتی سیکھیں گے اور جن بزرگوں نے حصول آزادی کے لئے قربانیاں دی ہیں، ایثار کئے ہیں ان کو ہمیشہ یاد رکھینگے۔

شری شری پرکاش

دعائیہ

نذیر بنارسی نے "جواہر سے لال تک" اپنی وطنی
نظموں کا مجموعہ مرتب کرکے اور اس مجموعہ کو جنگ ہند و
چین اور جنگ ہند و پاک کے ہندوستانی شہیدان وطن کے
نام معنون کرکے واقعی ایک بہت قابل قدر خدمت انجام
دی ہے۔ وطن سے محبت تو سبھی کے دل میں ہوتی ہے
لیکن اس محبت میں شدت اور جگمگاہٹ گرمی اور گہرائی اور تخلیقی
محرکات اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب حب وطن شعور وطن
بن جائے ورنہ حب وطن کا جذبہ دل و دماغ و روح کو
جگمگا دینے والا جذبہ نہیں بنتا، اس کے لئے بہت رچے
ہوئے خلوص کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیش پریم اسی وقت
محکم اور مستحکم ہوتا ہے جب وہ دیش گیان بن جائے۔
ہندوستان محض ایک جغرافیائی لفظ یا لغت نہیں ہے بلکہ
ایک زندہ حقیقت ہے جسے جاننے اور سمجھنے کی ضرورت

پیش لفظ

از ڈاکٹر امرت لعل عشرت

جواہر سے لال تک کے مصنف نذیر بنارسی اس وقت سے شعر کہتے ہیں جب وہ لکھنا تک نہیں جانتے تھے۔ ان کے کم سن بھولی ان کے اشعار ٹیڑھے میڑھے الفاظ میں قلم بند کر کے سناتے تھے۔ خود ہنستے تھے اوروں کو بھی ہنساتے تھے۔ اس حساب سے انکی عمر شاعری ۴۸ سال ہے۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی سے لے کر آج تک، انھوں نے اپنے ماحول کے انفرادی اور اجتماعی تصورات کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اکثر وہ اپنے کلام میں ایسے رچ بس گئے ہیں کہ انھیں پہچاننے میں مشکل نہیں ہوتی ان کی شاعری کا منفرد لب و لہجہ ایک ایسی شخصیت کی نشاندہی کرتا ہے جو ایک مخصوص سماجی قالب میں ڈھلی ہے وہ اپنے آپ کو سشنکر کی نگری کا سفیر اور کاشی کا فقیر لکھتے ہیں۔

ان کا مسلک وطن دوستی اور انکا دھرم دیش پیار ہے۔ قدیم ہندوستانی کلچر کے وہ شیدائی ہیں گنگا جمنی تہذیب کا رکھ رکھاؤ ان کا

ادبی ایمان ہے۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے خیالات و نظریات نذیر کے کلام کے اجزائے ترکیبی ہیں اور انکی تشکیل نذیر کی زندگی کے مختلف واقعات و تجربات ذاتی غور و فکر اور شعوری کوششوں کا نتیجہ ہے۔

نذیر احمد نذیر بنارسی ۱۹۱۱ء میں بنارس کے ایک متوسط مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد کا پیشہ طبابت تھا۔ اس فن شریف میں ان کے والد حکیم نور محمد مرحوم نے بھی کافی دستگاہ بہم پہونچائی تھی اور اپنے زمانے کے جانے پہچانے اطبا میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ نذیر نے جب ہوش کی آنکھیں کھولیں تو گھر میں صوفیانہ ماحول پایا۔ حکیم نور محمد مرحوم مشہور طبیب ہونے کے علاوہ ایک بلند مرتبہ صوفی بھی تھے۔ پھلواری شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا عبیداللہ شاہ صاحبؒ سے ان کا گہرا ربط تھا۔ وہ بھی اہل حال و قال میں ایک شیخ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ ان سے عقیدت رکھتے تھے اور عرفانیات میں انکے ارشادات کو مشعل راہ تصور کرتے تھے۔ موصوف کبھی کبھی محفل سماع میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ ان کے اپنے گھر میں اکثر ایسے اجتماع ہوتے تھے جن میں ذکر و اذکار اور وظیفہ و وظائف کے علاوہ مولانا رومی اور حافظ شیراز کے اشعار

بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے تھے۔ شوق مطالعہ نے موصوف کے ذخیرۂ کتب کو بھی بہت متنوع بنا دیا تھا خصوصاً روحانیات پر ان کے پاس بہت نادر نادر کتابیں تھیں ان میں سے کچھ تو ان کے مریدان تبرک سمجھ کر لے گئے کچھ گھر میں موجود ہیں اور کچھ انکی وصیت کے مطابق گنگا میں بہادی گئیں۔

حکیم نور محمد صاحب موصوف اپنے دونوں صاحبزادوں (نذیر احمد اور ان کے بڑے بھائی محمد یٰسین) کو اپنا صحیح جانشین دیکھنا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے شروع سے ہی انہیں طبابت کی طرف راغب کرنا چاہا۔ لیکن چھوٹے لڑکے کا فطری میلان طب سے کہیں زیادہ شاعری کی طرف تھا۔ اسلئے انھیں اپنے مقصد میں پچاس فیصدی سے زیادہ کامیابی نہ حاصل ہو سکی [1]

نذیر ابتدائی تعلیم کے لئے پاس ہی کے ایک پرائمری اسکول میں بھیجے گئے تھے۔ ابھی یہاں ایک سال بھی پورا نہ ہونے پایا تھا کہ ایک روز نذیر کی حرکتوں سے تنگ آکر انکے منشی جی کو اپنی چھڑی سے انکی خوب تواضع کرنا

---

[1] نذیر صاحب کے بڑے بھائی قبلہ حکیم محمد یٰسین صاحب شیخ بنارسی بنارس کے مشہور طبیب ہیں۔ اس فن میں وہ اپنے والد مرحوم کے وارث کامل ہیں۔

بڑی ۔ نذیر نے منشی جی کی اس گرما گرم تواضع سے متاثر ہو کر انکی
ہجو میں کچھ ٹیڑھے سوجھے اشعار کہہ دیئے۔ اس وقت ان کو لکھنا نہیں
آتا تھا اسلئے دوسرے لڑکے کو بول کر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر اپنے اشعار
لکھوائے دستخط کی جگہ اپنا انگوٹھا لگا دیا اور موقع پاکر چپکے سے منشی جی کی
جیب میں ڈال دیا۔ دوسرے دن منشی جی اسکول کے وقت سے کچھ پہلے
نذیر کے والد کی خدمت میں پہنچے اور انگوٹھے کے نشان والا کاغذ جیب
سے نکال کر حکیم صاحب کے سامنے رکھکر دست بستہ عرض پرداز ہوئے
کہ حکیم صاحب صاحبزادے کو پڑھانا میرے بس کی بات نہیں۔ نتیجہ یہ
ہوا کہ دوسرے ہی دن اسکول سے نام کٹ گیا پھر تو کچھ نہ پوچھئے نذیر کی
جتنی تواضع اسکول میں منشی جی نے کی تھی اس سے کہیں زیادہ مدارات
ان کے گھر میں ان کے والد بزرگوار نے کی۔ اسکول سے نام کٹ جانے
کے کئی ہفتہ بعد مدرسہ رحمانیہ میں انکا نام لکھایا گیا۔ یہاں دو سال تک
اردو اور فارسی ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ یہاں صفوۃ المصادر اور گلزار
دبستاں ختم کرکے اپنے استاذ مکرم کی سخت علالت کے باعث نذیر کو
محمود المدارس میں منتقل ہونا پڑا یہاں سے گلستان بوستاں یا مقیاں اخلاق
محسنی اور انوار سہیلی ختم کرلے کے بعد میزان منشعب شروع کی ابھی
ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ شعر و شاعری کے چکر میں پڑ کر اس مدرسے

کو بھی خیرباد کہنا پڑا اسکے کئی مہینے کے بعد اپنے بڑے بھائی حکیم محمد یٰسین صاحب سے طب پڑھنا شروع کیا گھر پر دواخانہ کا کام اور پڑھائی ساتھ ساتھ چلتی رہی گھر کی پڑھائی میں بھی نذیر کی شاعری برابر خلل انداز ہوتی رہی۔ محنت اور مشقت کے بل پر کسی طرح نذیر طبیہ کالج الٰہ آباد کے سند یافتہ طبیب تو قرار پا گئے لیکن شعرو شاعری میں ہمہ تن مصروفیت کے باعث طبابت کو اپنا ذریعۂ معاش نہ بنا سکے۔ خاندانی روایت سے اس انحراف کا سبب انکی افتادِ طبع اور شاعرانہ ماحول تھا۔

نذیر کو ادبی شعور ورثے میں ملا تھا۔ انھوں نے ادبی تعلیم مکتب کی بجائے اپنے گھریلو ماحول سے حاصل کی۔ فارسی میں وسعت مطالعہ نہ ہونے کے باوجود وہ جب اپنے والد اور انکے صوفی مشرب احباب کو مولانا رومی اور حافظ شیراز کے کلام کو پڑھ پڑھ کر جھومتے دیکھتے تو ان کی روح کو بھی بالیدگی کا احساس ہونے لگتا اس گھریلو چشمۂ فیض سے سیرابی کے بعد جب وہ باہر نکلے تو اپنے شہر میں بھی انھیں اسی قسم کا ماحول میسر آیا۔ بنارس زمانۂ قدیم سے ہی علم وفن کا مرکز رہا ہے۔ البیرونی سے لے کر شیخ علی حزیں اصفہانی تک سیکڑوں باکمال اس سرچشمۂ ادب سے سرشار ہوئے ہیں۔ لکھنؤ اور دہلی کی بربادی اس دیارِ دلبراں کی معموری کا باعث

ہوئی ہے ۔ لکھنؤ کے نواب زادوں اور دہلی کے شاہ زادوں کے
قیام نے اس شنکر کی راجدھانی کو گنگا جمنی کلچر کا بہترین نمونہ بنا دیا ہے
بیسویں صدی کے آغاز کا بنارس اس لحاظ سے اور بھی قابل رشک
ہے کہ یہاں سے کچھ ایسی علمی اور ادبی تحریکیں اٹھیں جنھوں نے
پورے ہندوستان کو متاثر کیا ۔ ہندی ادب کے پہلو بہ پہلو یہاں
اردو ادب نے بھی ارتقا کے بہت سے مدارج طے کئے ہیں ۔
رجب علی بیگ سرور سے پریم چند تک اردو نثر نے بہت بڑا
ارتقائی مرحلہ اسی سرزمین پر طے کیا ہے اردو ہندی ڈرامے نے یہیں
ہوش سنبھالا ہے ۔ طالب رونق بیتاب بھارتیندو ہرشچند اور آغا
حشر کشمیری اسی خاک سے اٹھے ہیں ۔ اس سرزمین حسن و عشق کی
دلکشی فقط اپنوں تک ہی محدود نہیں رہی ہیگانے بھی بنارس کی
کشش محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکے کچھ تو ایسے ہیں کہ یہاں آنے
کے بعد یہاں سے واپس نہیں گئے اور یہیں کی خاک کے پیوند ہوکر
رہ گئے ۔ کچھ ایسے تھے جو جانے کو تو چلے گئے لیکن نظم و نثر کی صورت
میں اپنے دھڑکتے ہوئے دل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے ۔
پہلی قسم کے لوگوں میں شیخ علی حزیں اصفہانی اور دوسرے گروہ
میں مرزا غالب کے نام سرفہرست ہیں ۔ بیسویں صدی کی تیسری اور

چوتھی دہائی کے بنارسی شعراء اور مقیمان بنارس میں بہت سی شخصیتیں ایسی تھیں جنکی شہرت ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان سخنوروں میں سید اسمٰعیل حسین نیر اکبر آبادی مرزا عباس بیگ محشر بنارسی اور منشی عبدالرزاق صاحب بیتاب بنارسی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نیر اکبر آبادی منیر شکوہ آبادی کے بھانجے تھے اور بنارس ریلوے اسٹیشن پر ملازم تھے انکا خاندان اپنی زبان دانی اور شستہ کلامی کیلئے مشہور تھا۔ ان کے دونوں صاحبزادے شاعر تھے اور خود نیر صاحب کی والدہ بھی شعروسخن کا بہت پاکیزہ مذاق رکھتی تھیں زبان و بیان کی صحت کا یہ لوگ بہت خیال رکھتے تھے ان کا گھر بنارس کی علمی اور ادبی صحبتوں کا مرکز بنا رہتا تھا۔ مرزا عباس بیگ محشر مرحوم شہر کے مشہور مختار (ایڈوکیٹ) تھے۔ چوک[1] کے شعراء میں وہ گل سرسبد کی حیثیت رکھتے تھے انکا خاص میلان فطرت نگاری کی طرف تھا۔ انکی موضوعاتی نظموں کی بہت شہرت ہوچلی تھی بڑے قادرالکلام شاعر تھے پرندوں اور موسموں پر انکی منظومات بڑی دلکش ہیں اکثر کالی داس کے جذبات کو اردو نظم کا لباس پہنایا ہے۔ ہندوستانی کلچر کی روح کو اپنے کلام میں سمونے کی کامیاب، کوششیں کی ہیں۔ شعرائے بنارس

---

[1] بنارس کا وہ محلہ جو کبھی بڑا شاعر خیز سمجھا جاتا تھا۔

کا ایک تذکرہ بھی انھوں نے مرتب کیا تھا جسکا مخطوطہ غالباً اب تک
ان کے خاندان میں موجود ہے ان کی نظموں کا ایک مجموعہ ڈاکٹر
وزیر آغا کے مقدمہ کے ساتھ پاکستان میں شائع ہوا ہے۔

یادگار خاندان مصحفی منشی عبدالرزاق بیتاب بنارسی کی شخصیت

اس دور کے بنارسی شعراء میں بے حد کم نظیر دکھائی دیتی ہے بڑی
آزاد طبیعت کے مالک تھے۔ ساری عمر تجرد میں بسر کی۔ محلہ مدنپورہ
میں تن تنہا ایک مختصر سے مکان میں قیام تھا دن بھر لوگ ان کو گھیرے
رہتے تھے خیال ٹھمری دو ہے کجری اور قصے ان سے لکھواتے
تھے یہ بھی ایسے مشاق اور پرگو تھے کہ سب کی فرمائشیں چشم زدن میں
پوری کر دیتے تھے۔ مذکورہ بالا اصناف سخن کے استاد ہونے کے
ناتے کلکتہ بمبئی سورت ہر جگہ نکے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد موجود
تھی جن کے کلام پر اصلاح کا کام بھی بڑی جانفشانی سے انجام دیتے
تھے۔ مقرر بھی بہت اچھے تھے بزلہ سنجی اور حاضر جوابی میں بہت
کم لوگ انکے حریف ہو سکتے تھے مناظروں اور مباحثوں میں بھی
لوگ انھیں کھینچ کر لے جاتے تھے لیے وقتوں پر انکی ذہانت اور چٹکی تھی
ایک دو جملے میں مخالف کو لاجواب کر دینا انکے لئے مشکل بات نہ تھی۔
کبھی کبھار احباب کو محظوظ کرنے کے لئے دینی مناظروں میں بھی شامل

ہو جاتے تھے اس سلسلے میں ایک پادری صاحب کو لاجواب کر دینے
کا انکا لطیفہ بنارس میں بہت مشہور ہے۔ منشی جی کی وسیع المشربی سارے
شہر میں ضرب المثل تھی انکا صوفیانہ مزاج سب کو بہت بھاتا تھا
وہ اپنے کو بانوا فقیر کہا کرتے تھے ارباب نشاط سے لیکر بڑے بڑے
مہاجن اور کوٹھی والے ان کے ارادت مندوں میں تھے۔ ہندو مسلم
میں امتیاز نہ کرتے تھے اگلے وقتوں کی جیتی جاگتی یادگار تھے۔ ہندوؤں
کے تہواروں اور میلوں ٹھیلوں میں بڑے ٹھاٹ سے اپنی اُمّت سمیت
شرکت فرماتے تھے۔ خاص کر ہولیوں میں منشی جی کا اکھاڑہ دیکھنے کے قابل
ہوتا تھا۔ ہفتوں پہلے تیاریاں ہوتی تھیں۔ مظلوم ان کے دربار میں
فریاد لیکر آتے تھے منشی جی سب کی شکایتیں بڑے غور سے سنتے
جاتے، اس مہاجن نے بنکروں پر یہ ظلم کیا، اس کوٹھی والے
نے فلاں غریب کی اجرت مارلی، فلاں بیوپاری فلاں کاریگر کے
ساتھ بدسلوکی سے پیش آیا وغیرہ وغیرہ سب کی سننے کے بعد منشی جی
اپنے خمسوں میں مناسب مقامات پر یہ تمام شکایتیں مزاحیہ انداز
میں منظوم فرماتے اور موقع کی تلاش میں رہتے جب ہولی کا اکھاڑہ
اٹھتا اور اپنے پرانے تکیوں پر پہنچتا ہزاروں کی بھیڑ اکٹھا ہو جاتی
تب منشی جی اپنے مخصوص انداز میں خمسے پڑھتے اور اپنے شاگردوں سے

بھی پڑھواتے اس دوران میں اگر مخاطب نظر آجاتا تو اس سے براہ راست خطاب کر کے ہزاروں آدمی کے روبرو اسکی کمزوریاں مزاحیہ پیرائے میں مزے لے لیکر بیان فرماتے۔ منشی جی کا یہ انداز اکثر موثر ثابت ہوتا بدنامی کے ڈر سے لوگ پہلے ہی نذر نذرانے لیکر انکی خدمت میں پہونچ جاتے اور اس طرح بہت سے ناخوشگوار جھگڑے منشی جی کے فیض سے بہ آسانی طے ہو جاتے۔ منشی بیتاب مرحوم صاف نظر تھے دیر و حرم ان کے لئے برابر تھے۔ اس سلسلے میں انکا ایک مطلع ملاحظہ فرمائیے۔

آدمی دیر میں یا خانۂ داور میں رہے
سر رہے دوست کی چوکھٹ پہ کسی گھر میں رہے

کبھی علی الصباح اٹھکر بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز فجر ادا کرتے کبھی رات کی تنہائی کو بارونق بنانے کے لئے ستار چھیڑ کے میرا کے بھجن گنگنانے لگتے دلدادہ اہل بیت ایسے تھے کہ شہیدان کربلا کی یاد میں رونے لگتے تو گھنٹوں روتے رہ جاتے کبھی مثنوی مولانا روم پڑھنے لگتے کبھی تلسی داس جی کی چوپائیاں۔ موسیقی سے کافی شغف رکھتے تھے۔ نظیر اکبرآبادی کی نظمیں اور کبیر کے دوہے بھی ان کو بہت یاد تھے مجموعی حیثیت سے انکی آزاد شخصیت اردو کے منفرد شاعر حضرت نظیر اکبرآبادی سے بہت

مشابہت رکھتی ہے۔

مرزا محشرؔ اور بیتابؔ کے علاوہ اس زمانے میں بہت سے اہل فن بھی موجود تھے جن کا نام اور کلام اب ناپید و نایاب ہے ان بزرگوں میں کچھ ایسے تھے جنھوں نے ماہر فن اور مسلم الثبوت استاد ہونے کے باوجود کبھی کسی رسالے یا پرچے کو اپنا کلام بغرض اشاعت شاید ہی بھیجا ہو یہ لوگ مقامی طور پر باکمالوں میں شمار ہوتے تھے لیکن بنارس سے باہر کسی مشاعرے یا ادبی مجلس میں شرکت کا دماغ نہیں رکھتے تھے اہل شہر ان کی خدمت میں جوق درجوق حاضر ہوتے تھے اور ان کی تحریر و تقریر سے بلا امتیاز مذہب و ملت فیضیاب ہوتے تھے۔ حکیم جعفر علی نافذؔ دہلوی شاگرد حضرت بےخودؔ دہلوی انھیں بزرگوں میں سے تھے انکے کچھ شاگرد اب بھی بنارس میں موجود ہیں۔ نافذؔ ایسی شستہ اور بامحاورہ زبان بولتے تھے کہ بہت سے شائقین فقط انکی باتوں سے لطف اندوز ہونے کیلئے ہر روز انکے مکان پر حاضری دیتے تھے قدیم رنگ میں کہتے تھے لیکن مشاق اس قدر تھے کہ شعراء انکی تحسین کو فن کا سرٹیفکٹ سمجھتے تھے۔

شاہ سرن لال صوفیؔ کا شمار بھی اس دور کے صف اوّل کے شعراء میں ہوتا تھا۔ صوفیانہ مزاج کے بزرگ تھے، اب کہیں نام ہے

نہ کلام، ان کے یہ دو شعر بنارس میں مشہور ہیں۔

لغزش ہوئی تھی صوفیٔ بدست کو مگر | دیوار میکدے کی پکڑ کر سنبھل گیا

⁂

لگا رہا ہوں شب و روز زینۂ عصیاں | بہت بلند ہے سنتا ہوں آستانِ کرم

ان شعراء کے علاوہ استاذالاساتذہ مرزا محمد حسن فائز مرحوم۔ حضرت فرخ بنارسی۔ میر ریاض علی بنارسی۔ آغا عبدالحمید ناصر بنارسی۔ منشی عبدالصمد قاصر بنارسی۔ شاگرد حضرت جلال حکیم رحمت بنارسی شاگرد حضرت داغ دہلوی خواجہ محمود اقبال بنارسی، منشی عبدالغنی غنی بنارسی۔ آغا حشر بنارسی جو کشمیری کے نام سے مشہور ہو گئے ہیں۔ حافظ مقبول احمد کوکب بنارسی۔ نجابت حسین عیش بنارسی۔ مرزا طاہر بخت طاہر بنارسی اور کئی دوسرے شعراء جو بنارس میں موجود تھے سب کے سب اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے اور کوئی نہ کوئی ادبی ہنگامہ اس شہر صد گفتار و صد رفتار میں برپا کئے رہتے تھے اس ہنگامے کی بہترین یا بدترین صورت طرحی مشاعرے ہوتے تھے ہر ہفتہ ایک دو طرحی مصرعے گشتی مراسلے سے روانہ کر دیئے جاتے اور یارانِ نکتہ داں کو صلائے عام دی جاتی تھی مبتدیوں کے لئے یہ ایک خاص امتحان کا وقت ہوتا تھا جی توڑ کر شعر نکالے جاتے تھے۔ فنی نکات اور زبان و بیان کی جکڑ بندیٔ

پر خاص توجہ دی جاتی تھی باعث قرانی کی استادانہ گرفت شاعر کی قادر الکلامی کا سب سے بڑا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ شعرائے شہر کے مختلف حلقوں میں منقسم تھے۔ مدن پورہ اور شوالہ الگ چوک اور تلیا نالہ جدا اتا کہنے اپنے پٹھوں کا دل بڑھاتے تھے بعض اوقات معاصرانہ چشمکوں میں بڑے دلچسپ نظارے دیکھنے میں آتے تھے۔ مخالفین کی باری آئی شاعر نے پڑھنا شروع کیا اور حریفوں نے اٹھکر حاضرین مجلس میں پان کی طشتری گھمانا شروع کر دی تاکہ لوگوں کی توجہ دوسری طرف مبذول ہو جائے اور پڑھنے والا شاعر داد سے محروم رہ جائے۔ کبھی کبھی منصف مزاجی کے مظاہرے بھی زور شور سے کیئے جاتے تھے کسی نو آموز نے طرح میں اچھے شعر پڑھے اور اساتذہ نے اپنی غزل چاک کرکے مشاعرے کے اختتام کا اعلان کرا دیا۔

نذیر نے بہت کم سنی میں ان محفلوں میں شرکت شروع کردی تھی اول اول وہ سامع کی حیثیت سے شریک ہوتے رہے لیکن جلد ہی طبیعت کی اپج اور شاعرانہ مزاج انہیں سامعین کی صف سے نکال کر اکھاڑے میں لے آیا یہ بڑے جگر گردے کا کام تھا اس دنگل میں قدم جمانا آسان کام نہ تھا استاد نئے پٹھوں کو منہ لگانے میں بہت تامل سے کام لیتے تھے دشوار

گذار اور ناہموار زمینوں میں شگفتہ مضمون پیدا کرنا زبان و بیان کی
تمام پابندیوں کے باوجود حسن کلام کا مظاہرہ کرنا فی البدیہہ
شعر کہنا مصرع پہ برجستہ مصرع لگانا استادوں کی زمین میں آسانی
سے غزل کہنا وغیرہ شاعری کی اہم شرائط تھی ۔ شاعری کا مطلب
محض غزل گوئی سمجھا جاتا تھا ۔ نذیر کو اس ماحول میں اپنا مقام
پیدا کرنے کے لئے جان توڑ کے محنت کرنا پڑی اور اسی
محنت نے ان کے دل میں شاعری کی ایسی لگن پیدا کر دی کہ آگے
چل کر انھوں نے اسکو اپنی زندگی بنالیا انکی یہ لگن دوسروں کو بھی متاثر
کئے بغیر نہ رہ سکی اس دور کے سربرآوردہ شعراء نے بہت
جلد انہیں اپنالیا ۔ نیّر اکبرآبادی اگرچہ سن میں نذیر سے بہت
بڑے تھے لیکن انکی شاعرانہ صلاحیتوں کو دیکھ کر ان سے بہت
محبت کرتے تھے ۔[1]

---

[1] نذیر کو بے تامل شعر کہنے میں بہت مشق ہو گئی تھی ایک مرتبہ نیّر صاحب کے دولت کدے
پر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ نیّر صاحب فکر شعر میں مستغرق ہیں پوچھنے پر معلوم ہوا ایک
مصرع ایسا آگیا ہے جس پر باوجود انتہائی کوشش کے مصرع نہیں لگ رہا ہے مصرع تھا۔
؎ یہ کیا خبر کہ آگ تھی اور آشیاں میں تھی ۔ نذیر نے فوراً مصرع لگایا ۔
اک پھول سا کھلا تھا نگاہوں کے سامنے ـ یہ کیا خبر کہ آگ تھی اور آشیاں میں تھی۔
نیّر صاحب بہت خوش ہوئے اور جی کھول کر داد دی ۔

نذیر کے ادبی شعور کی نشو و نما میں نیرؔ اکبرآبادی کی ہم نشینی کا بھی اثر ہے نیرؔ صاحب[1] زبان اور محاورے کی صحت کا بہت خیال رکھتے تھے انکے تغزل کی پاکیزگی نے نذیر کو اپنا راستہ متعین کرنے میں کافی مدد دی عام فہم الفاظ کا استعمال نیرؔ صاحب کے غزل کی جان ہے نذیر نے بھی اسکی اہمیت کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا اور رفتہ رفتہ یہ چیز انکی شاعری کے لئے طرۂ امتیاز بن گئی لیکن فرق اتنا رہا کہ نیرؔ صاحب نے اس سلسلے میں حد بندی سے کام لیا نذیر نے ان حدود کو ایسی وسعت دی کہ ہندی لغات اور ہندوستانی کلچر کی تمام عام فہم اصطلاحات اور تلمیحات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور اس طرح ایک ایسی راہ نکالی جسکو شاید مستقبل قریب میں اُردو کے کاروانِ شعر و ادب کو اپنی شاہراہ بنانا پڑے۔

سنہ ۱۹۳۰ء سے سنہ ۱۹۴۰ء تک کا زمانہ نذیر کی غزل گوئی کے پروان چڑھنے کا ہے انکے تغزل کے اجزائے ترکیبی پر غور کرنے کا یہ محل نہیں ہے۔ یہاں فقط اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ

---

[1] نیرؔ صاحب کے اس دور کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

جو مہلت دے تلاطم ناخدا سے پوچھ لیں اتنا ——— یہاں سے اور کتنی دور ہے ساحل جہاں ہم ہیں

چمن کا ایک اک تنکا قفس میں یاد آتا ہے ——— پڑا ہے دل نشیمن میں ہمارا اور یہاں ہم ہیں

اس دور میں غزل گوئی کی مسلسل مشق اسکے فنی تقاضوں کی تکمیل اور
شاعرانہ طبیعت نے انکے لب و لہجہ میں ایسی منفرد دلکشی پیدا کردی
کہ ہر صنف سخن میں انکے انداز بیان کی مخصوص چھاپ صاف
دکھائی دینے لگی یعنی غزل میں حسن بیان پیدا کرنے کے لئے
انھوں نے جس کاوش سے کام لیا تھا اسنے انکی نظم کو بھی دوسروں
سے ممیز کردیا شعوری طور پر اس بات کا احساس انھیں دیر میں
ہوا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابتدائی دور کے طرحی مشاعروں کی قافیہ
بندی فنی اصولوں کی سخت پابندی اور فن کارانہ ضرب وتقسیم نے
انکے تنقیدی شعور کو ایک ایسے فنی قالب میں ڈھال دیا جس کے
پیکر میں انکا تخلیقی جوہر تراشیدہ ہیرے کی صورت میں جلوہ گر ہوا
ماحول کا تقاضا تو یہ تھا کہ نذیر فقط ایک غزل گو بن کے رہ جاتے
لیکن ایسا نہیں ہوا ایک حساس دل کے ساتھ قدرت نے انہیں ایک عقل
پسند دماغ بھی ودیعت کیا تھا غور و فکر کی صلاحیتوں نے ہمیشہ انکا
ساتھ دیا اور اسی وجہ سے جذبات کی روانی میں بہتے ہوئے بھی
وہ حد اعتدال سے پرے نہیں گئے۔ شباب کی سرمستیوں کی
ترجمانی انھوں نے بڑے زور و شور سے کی تھی انکی رندی بعض
اوقات بڑے خطرناک نتائج پیدا کردیتی تھی مشاعروں میں بے پناہ

مقبولیت سے انھیں ہر وقت فتح مندی اور کامرانی کا سرور رہنے
لگا تھا وہ جہاں جاتے تھے انکے چاہنے والوں کا ہجوم انکے ساتھ
رہتا تھا ان کی عام فہم اور دلچسپ و رنگین غزلیں ارباب نشاط
کیلئے آمدنی میں اضافے کا باعث ہو رہی تھیں وہ جس طرف جا نکلتے
لوگ انھیں ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ نقاد کی حد تک پہونچنے والی اس
مقبولیت کے زیر اثر زیادہ امکان یہ تھا کہ نذیر بنارسی بہزاد
لکھنؤی بن کر رہ جاتے لیکن ان کے سیاسی اور سماجی شعور
نے انکو اس بے راہ روی سے بچا لیا۔ حسن و عشق کے نغمات الاپنے
والا غیر ملکی استبداد کی چکی میں پسنے والے ہندوستانی عوام کی
آہ و فغاں سے تڑپ تڑپ اُٹھا۔ سنہ ۱۹۴۲ء کی تحریک آزادی نے
نذیر کو کھلم کھلا میدان میں آنے کی دعوت دی۔ وقت کی آواز پر
لبیک کہکر انھوں نے سامراجی نظام کے خلاف پوری طاقت سے
آواز اٹھائی اب ان کے سامنے ایک واضح مقصد تھا۔ ایک صحتمند
نظریہ تھا۔ اب وہ بخوبی سمجھ گئے کہ اجتماعی نظریات کی ترجمانی
ان کا سماجی فریضہ ہے قومی اجتماعوں میں جب وہ اسٹیج پر آتے
تو انکی انقلابی نظموں کا اتنا پرجوش خیر مقدم اور سواگت کیا
جاتا کہ وہ ایک مخصوص روحانی مسرت سے ہمکنار ہو کر اسٹیج سے

اثر نے ہی اس قسم کی دوسری نظمیں کہنے میں مشغول ہو جاتے یہ نظمیں بہت کم چھپتی تھیں اکثر سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہتی تھیں ان میں سے کچھ نظمیں ۱۹۵۸ء میں معمولی ردّو بدل کے ساتھ نذیر کے پہلے مجموعہ گنگ و جمن میں شامل کردی گئی ہیں لیکن بیشتر ان کے شاعرانہ تغافل کے سبب دیمک کی نذر ہو چکی ہیں۔

حب الوطنی سے سرشار قومی اور انقلابی شاعری کا یہ میدان نذیر کیلئے بالکل نیا نہ تھا وہ آغاز شباب ہی سے نیشنلسٹ خیال کے حامی تھے۔ مسلمانوں کو ایک قوم سمجھنے کا تصور شروع سے ہی ان کے نزدیک ایک محدود اور غیر جمہوری نظریہ تھا وہ سیاسی عقاید کے اعتبار سے جواہر لال جی کے مقلد تھے انھیں آسانی سے گاندھی وادی کہا جا سکتا ہے

نذیر کے ان نظریات کی تشکیل میں ان کی بے پناہ وطن پرستی کا جذبہ کارفرما تھا وہ کسی مصلحت کے پیش نظر نہیں بلکہ خود اپنے ضمیر کے اطمینان کیلئے تحریک آزادی میں شامل ہوئے تھے عوام میں قابل رشک مقبولیت نے انھیں عوام کے دکھ درد کو بانٹنا بھی سکھا دیا انھوں نے اپنا راستہ خود متعین کیا لیکن انکی رہنمائی ان کے پھوپھی زاد بھائی منشی بیتاب نے کی تھی۔ بیتاب جیسا کہ پہلے عرض

کیا جا چکا ہے عوامی شاعر تھے اور اپنے حالات کے تقاضوں

کو بخوبی سمجھتے تھے اگرچہ وہ گوشہ نشین تھے لیکن قومی جلسوں میں شرکت

کے لئے اکثر خاص طور پر نظم لکھتے تھے۔ مہاتما گاندھی کے نظریات

کی تائید میں ایک منظوم کتابچہ گھر گھر چرخا بھی شائع کیا تھا۔

نذیر کو منشی جی کم سنی ہی سے اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اکثر

ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کی تعریف کرتے تھے۔ منشی جی کو یافت

کے لئے اکثر و بیشتر فرمائشی چیزیں بھی لکھنی پڑتی تھیں۔ کبھی کبھی دو

ایک دن کے اندر بہت سے خمسے لکھنے پڑتے تھے۔ اس قسم کی

عدیم الفرصتی میں وہ نذیر سے کام لیتے تھے اکثر ایسا بھی ہوا کہ

رات بھر میں خمسے کے پچاس بند منشی جی نے تیار کئے اس سے

کچھ زیادہ یا کم نذیر سے کہلوائے گئے اور دوسرے دن سارے

مال کو یک جا کر کے دساور کو بھیج دیا گیا۔ منشی جی مقرر بھی تھے، بنارس

کے مشہور کانگریسی لیڈر شیو پرشاد گپت۔ ڈاکٹر بھگوان داس بشیو

وناتک مصر اور مولوی عبدالمجید الحریری سے ان کے بہت اچھے

تعلقات تھے۔ کانگریسی جانباز ڈاکٹر عبدالکریم انکے جگری دوست

تھے جلسے میں تقریروں کے ساتھ ساتھ ان کے قومی اشعار پر

بھی کافی داد ملتی تھی۔ منشی جی کی شخصیت کا یہ پہلو نذیر کو بہت پسند

تھا اپنے پھوپھی زاد بھائی کے دوش بدوش انھوں نے بھی قومی مسائل سے زیادہ دلچسپی لینا شروع کر دی۔

نذیر کی ابتدائی قومی نظموں میں جو سب سے مقبول نظم تھی اس کا عنوان ہے "سر اسٹیفرڈ کرپس کے نام" دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں جب غیر ملکی حکومت کی طرف سے ہندوستانیوں کو جنگ میں شرکت کی دعوت دی گئی تو ہمارے رہنماؤں نے ان کی گذشتہ بدقولیوں اور وعدہ فراموشیوں کی بنا پر اسے ٹھکرا دیا اور یہی جذبہ تھا جو بعد میں سنہ ۱۹۴۲ء کی تحریک میں شدید صورت اختیار کر گیا ان حالات کے پس منظر میں اب یہ نظم سنئے۔

سر اسٹیفرڈ کرپس کے نام

بنکے غدار آج تم سے اک غلام ابن غلام نظم کے پردے میں چھپکر ہو رہا ہے ہمکلام

آج لندن سے منانے کو چلے آئے ہو کیوں اب تمہارے سر پہ آئی ہے تو چلاتے ہو کیوں

تم کو تو معلوم ہے مدت سے طاری ہے جمود پھر ہمارا تذکرہ کیا پھر ہماری کیا نمود

ہم بھی افسردہ ہیں افسردہ دلی جذبات بھی جنگ کے بارے میں سن سکتے نہیں اک بات بھی

یاد کر لو دیکھکر تاریخ کے خونی ورق اب زمانہ دینے والا ہے تمہیں بھی وہ سبق

نند کو پھانسی کے تختے پر چڑھایا کس نے تھا تھا آزادی پہ رحمت خاں کو مارا کس نے تھا

جب کھلیں آنکھیں نہ اختر کا جنازہ دیکھ کر
جب نہ گرمایا لہو ٹیپو کا لاشا دیکھ کر

طشت میں جب رکھ کے تم چھوٹے بڑے سر لائے تھے
جب ظفر کے سامنے ڈالی لگا کر لائے تھے

برہنہ کر کر کے جب تیغوں سے تم کرتے تھے بات
جب اتارے جا رہے تھے بیگموں کے زیورات

ہر گلی کوچے میں جب لٹکی ہوئی تھیں پھانسیاں
اُف بھی کر سکتی نہ تھی جب ہندوالوں کی زباں

تم نے جب چھین جلادی کی شہرت کے لئے
جب امر کی لاش لٹکائی گئی عبرت کے لئے

آپ کے بے دست و پا جب بھی کھڑے سوچا کئے
لٹنے والا لٹ رہا تھا اور ہم دیکھا کئے

خون میں ڈوبی جوانی کا نہ بدلہ لے سکے
تم سے ہم جھانسی کی رانی کا نہ بدلہ لے سکے

جب اضافہ کر رہے تھے تم جگر کے داغ میں
گولیاں چلتی تھیں جب جلیان والے باغ میں

ننھے بچوں پر بھی جب برسا رہے تھے گولیاں
جب بھی ہم خاموش تھے خاموش تھی سبکی زباں

جب نہ جوش آیا تو اب کس طرح جوش آئیگا
تم ہی سمجھو آج بھی ہم سے نہ سمجھا جائے گا

کل تھے کمزور آج طاقت کسطرح آجائیگی
جب نہ آئی اب شجاعت کس طرح آجائیگی

ہر زمانے میں رہا ہو جسکا خاموشی اصول
ایسے بزدل سے امید سرفروشی ہے فضول

جب بھی ہم خاموش تھے اور آج بھی خاموش ہیں
ہاں مگر اسوقت تھے بیہوش اب باہوش ہیں

دیسے غدار اور غداروں کے افسر اب نہیں
میر قاسم میر صادق میر جعفر اب نہیں

توپ سے بھی خونِ مشرق گرم ہو سکتا نہیں
آنچ کھا کر بھی یہ لوہا نرم ہو سکتا نہیں

بدیسی حکمرانوں کے خلاف اس قسم کا زہر اگلنا کوئی آسان کام نہ

تھا۔ یہ وہ راستہ تھا جس پر بڑے بڑوں کے قدم لڑکھڑا گئے
تھے اور بقول مولانا ظفر علی خاں سرکار کی دہلیز پر کئی اقبال
سر ہو چکے تھے۔ لیکن نذیر نے اپنے لئے جو راہ تجویز کی تھی
اس پر ہمیشہ رواں دواں رہے ہزاروں دشواریوں اور
پابندیوں کے باوجود انھوں نے حق گوئی کو اپنا شعار بنائے
رکھا۔ انھیں سرکاری سرپرستی سے تنفر تھا ملک اور
قوم کے لئے انھوں نے عام طور پر اپنے ذاتی مفاد کو بالائے
طاق رکھ دیا تھا۔ انہیں دنوں ایک بڑا دل چسپ واقعہ
پیش آیا جس کا بیان یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جنگ
کے دوران فتح ٹیونیشیا کے سلسلے میں جونپور کے قلعہ شاہی
میں حکام وقت کی طرف سے ایک مشاعرے کا اہتمام کیا گیا
تھا۔ نذیر اسوقت اپنی شہرت کے بام عروج پر تھے۔ کلکٹر کی
طرف سے خواہش ظاہر کی گئی کہ نذیر بنارسی اس مشاعرے میں
ضرور شریک ہوں۔ مشکل یہ آپڑی تھی کہ نذیر اس قسم کے سرکاری
اجتماع میں شریک نہ ہوتے تھے چنانچہ انھیں شرکت پر آمادہ
کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جونپور ہی کے ایک وکیل صادق
حسین کلکٹر سے بندوق کے لائسنس کے حصول کے لئے کوشاں

تھے اور نیر اکبر آبادی کے دیرینہ دوستوں میں تھے انھوں نے
کلکٹر کو خوش کرنے اور اپنے لائسنس کے حصول کے لالچ
میں نذیر کو لانے کا وعدہ کر لیا۔ صادق حسین نیر اکبر آبادی کو
ساتھ لیکر نذیر کے یہاں پہونچے اور ان سے جھوٹ بولا
گیا کہ غزل کا مشاعرہ ہے صرف غزلیں پڑھی جائیں گی۔ انگریز
کی مدح سرائی نہ ہوگی آپ مطمئن رہیں ہم لوگ اچھی طرح
بانیان مشاعرہ سے پوچھ گچھ کر کے آئے ہیں شام کو یہ
لوگ نذیر کو ہمراہ لیکر مشاعرہ گاہ میں پہونچے تو سارا راز
طشت از بام ہو گیا لوگ ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے
اور شعراء میں اکثر و بیشتر انگریز کے پٹھو تھے جو جارج پنجم کی
مدح سرائی میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔
نذیر کی باری آئی تو ان کی زبان درازیوں اور مصلحتِ وقت
کے پیش نظر ان سے صرف غزل کی فرمائش کی گئی۔ کلکٹر بھی
کہہ رہا ہے غزل پڑھیئے۔ نیر صاحب بھی کہہ رہے ہیں نذیر
میاں غزل ہی پڑھیئے گا۔ نذیر اطمینان سے ڈائس پر پہونچے
اور درج ذیل انقلابی غزل شروع کر دی بڑے ٹھاٹ کے
ساتھ یہ کہہ کے کہ۔ مطلع ملاحظہ ہو۔

اگر ظالم پہ خنجر آزما لیتے تو اچھا تھا

لہو میں ڈوب کر بیڑا بچا لیتے تو اچھا تھا

وہ لوہا جس سے بنتی ہے ہمارے پاؤں کی بیڑی

اسی کو موڑ کر خنجر بنا لیتے تو اچھا تھا

ہمارے دیش کے دامن پہ دھبہ ہے غلامی کا

یہ دھبہ خوں بہا کر بھی چھڑا لیتے تو اچھا تھا

جسے اک عمر سے در رہے تھوڑی سی قربانی

وہ جھگڑا اپنے ہی ہاتھوں چکا لیتے تو اچھا تھا

کسی پہلو سے جب دنیا ہمیں زندہ نہ چھوڑے گی

وطن ہی کے لئے ہم سر کٹا لیتے تو اچھا تھا

چلا آتا ہے آگے کروٹیں لیتا ہوا دریا

اب اپنی پیاس اگر ہم بھی بجھا لیتے تو اچھا تھا

تیر کمان سے نکل چکا تھا اور صادق حسین اپنا کام بگڑتا دیکھ کر بار بار نذیر کا دامن کھینچ رہے تھے۔ ادھر سامعین جارج پنجم کی قصیدہ خوانی سن سن کر بیزار ہو چکے تھے نذیر کے اشعار کے ساتھ ساتھ انقلاب زندہ باد کے نعرے بلند ہونا شروع ہو گئے اور دیکھتے دیکھتے سرکاری دربار کانگریس کا پنڈال بن گیا صادق حسین نے

گھبرا کے پیچھے سے نذیر کی شیروانی کھینچی اور ڈائس سے اتر جانے
کے لئے اشارہ کیا نذیر سے رہا نہ گیا۔ فوراً مڑکے بولے وکیل صاحب
یہ کیا حرکت ہے بس پھر کیا تھا سامعین نے شور مچانا شروع
کردیا ہٹاؤ ان ٹوڈیوں کو یہاں سے ہم نذیر بنارسی ہی کو سنیں
گے۔ اتنے میں نذیر نے کہا دوسری غزل پڑھ رہا ہوں سماعت
فرمائیں۔

دغا والو آنا دغا دار بن کر — نکلنا نہ میداں میں غدار بنکر
جو ہنسنا تو آنکھیں ملا کر قضا سے — جو رونا تو بھارت کے غمخوار بنکر
جو چھانا تو بادل کا بہروپ بھر کے — برسنا تو تیروں کی بوچھار بنکر
قدم جب جمانا تو بن کر ہمالہ! — ٹھہرنا تو لوہے کی دیوار بنکر
اگر جنگ کرنا غلامی سے کرنا — کبھی سر جو دینا تو سردار بنکر
جو جھکنا کماں بن کے ارجن کی جھکنا — جو اٹھنا تو ٹیپو کی تلوار بن کر

یکے بعد دیگرے اس قسم کی چھ نظمیں غزل کے نام سے پڑھ کر جب
نذیر اسٹیج سے اترے تو لوگوں نے انھیں گھیر لیا اور حکام وقت
کو دانت پیستا چھوڑ کر پھولوں کے ہاروں میں لدا پھندا جب یہ
قومی شاعر نیم شب کے بعد ریلوے اسٹیشن پہنچا تو اسے الوداع
کہنے کے لئے کوئی سرکاری آدمی موجود نہ تھا۔ یہاں تک کہ نیتر اکبرآبادی

اور صادق حسین وکیل بھی لاپتہ ہو چکے تھے۔

۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک کا دور نذیرؔ کی شاعری کے نکھار کا زمانہ ہے۔ وطن کی محبت ہندوستانی کلچر سے وابستگی قوم کے شہیدوں کے لئے جذبۂ عقیدت سرفروشانِ وطن کے لئے احترام اور آزادی کے حصول کے ساتھ ساتھ نئے ہندوستان کو جادۂ ترقی پر دیکھنے کی خواہش مزدوروں اور غریبوں کے لئے جذبۂ ہمدردی سارے ہندوستانیوں کو بلا امتیاز ملت و مذہب ایک ہی قوم سمجھنے کا تصور اب ان کے دل میں ایک محکم اور مستقل عقیدے کی صورت میں جاگزیں ہو چکا تھا۔ ہندوستانی مجاہد، عید کا چاند، جھانسی کی رانی، دیش سنگار، ۱۸۵۷ء کے شہیدوں کی یاد میں، تعارف، پیام وطن، مہا کالیداس وغیرہ اس زمانے میں کہی گئیں اور ہندوستان کے مختلف مشاعروں اور قومی اجلاسوں میں پڑھی گئیں۔ ان میں جذبات کی شدت کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی سادگی تھی اسلئے ہر طبقہ کے لوگوں میں بے حد مقبول ہوئیں۔ سورگیہ پنڈت مدن موہن مالوی نے آزادی سے کچھ سال پہلے اور ڈاکٹر بھگوان داس اور بلبل ہند سروجنی نائیڈو نے آزادی کے کچھ سال بعد نذیرؔ کو بلا کر شخصاً ان کے کلام کی

تعریف کی اور فرمائش کی کہ وہ اسی انداز میں ملک و قوم کی خدمت کرتے رہیں۔

"ہندوستانی مجاہد"۔ غیر ملکی حکومت کے خلاف قومی جہاد میں شرکت کرنے والے ایک ایسے ہندوستانی سپوت کی عکاسی کرتی ہے جس کے لہو کا ہر چھینٹا ایک گل خنداں اور مقتل ایک گلستاں کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اس کے ہاتھ ظالموں کے دلِ بیدرد مسلنے کے لئے اور پاؤں سرِ مغرور کچلنے کے لئے ہیں میدان جنگ اس کے لئے ایک سیر گاہ کا کام دیتا ہے۔ گولیاں اس کے پاس آنے سے تھرّاتی ہیں اور موت آنکھیں ملانے ہوئے شرماتی ہے۔ وہ ہند کی تلوار ہے گنگا کی طرح لہرانا جانتا ہے جنگ کے میدان میں جمنا کی طرح بل کھانا جانتا ہے۔ وہ میدان کارزار میں اترتا ہے دریا کی طرح چڑھ جانے کے لئے۔

خون کی دھار کو تفریح کا ساماں سمجھا دیکھا چھینٹا جو لہو کا گل خنداں سمجھا
کہیں مقتل نظر آیا تو گلستاں سمجھا! میں مجاہد ہوں مجھے کون ڈرانے والا

؛

ہاتھ میرا دلِ بیدرد مسلنے کے لئے پاؤں میرا سرِ مغرور کچلنے کے لئے
چاہیئے جنگ کا میدان ٹہلنے کے لئے میں مجاہد ہوں مجھے کون ڈرانے والا

گولی آتی نہیں آتے ہوئے کتراتی ہے   اگر آتی ہے تو بچ بچ کے نکل جاتی ہے

موت بھی آنکھ ملاتے ہوئے شرماتی ہے   میں مجاہد ہوں مجھے کون ڈرانے والا

؛؛

ہند کی تیغ ہوں لہراؤں گا گنگا کی طرح   عرصۂ جنگ میں بل کھاؤں گا جمنا کی طرح

کبھی اتروں گا تو چڑھ جاؤں گا دریا کی طرح   میں مجاہد ہوں مجھے کون ڈرانے والا

لکشمی بائی (جنکی جنم بھومی بنارس ہے) عرف رانی جھانسی پر نذیر نے جو نظم لکھی اس کی گونج ایک مدت تک ملک کے گوشے گوشے میں سنائی دی اس نظم میں نذیر نے رانی کے بچپن سے لیکر شہادت تک کے واقعات بڑے موثر انداز میں بیان کئے ہیں پوری نظم حکایاتی رنگ میں ہے۔ ان گنت فرنگی لشکر کے بیچ مردانہ وار لڑتی ہوئی رانی زخموں سے چور ہو کر گر پڑتی ہے۔

یاد تو ہوگا تجھے اے سرزمین گوالیار   آئی تھی اک شیرنی جب چھوڑ کر اپنا کچھار

کر رہی تھی موت کا سواگت انوکھی شان سے   ساتھ اپنے لے کے اپنی بیوگی کی یادگار

جسکے دم کے ساتھ دل ٹوٹا تھا ہندوستان کا   جان جس دیوی نے دی لڑتے ہوئے مردانہ وار

کہتی ہے جسکی سمادھی سر اٹھا کر آج بھی   میں ہوں کاشی کی امانت میں ہوں کاشی کا وقار

کہہ رہی تھی دیکھکر ہنستے ہوئے زخموں کے پھول   واہ رے رنگ گلستاں واہ رے رنگ بہار

اپنی ہی تلوار کا آئینہ رکھ کر سامنے   اپنے ہاتھوں اپنے بہتے خون سے کر کے سنگار

اوڑھ کر چندری لہو کی بھرے دولہن بن گئی
جنگ کے میدان میں بیوہ سہاگن بن گئی۔

۱۹۴۷ء میں حصول آزادی کے ساتھ دیش بھر میں جو انسانیت سوز نظارے دیکھنے میں آئے ان سے متاثر ہو کر بڑے بڑے اصول پرستوں کے قدم ڈگمگا گئے۔ وہ لوگ جو صدیوں سے قوم پرست چلے آتے تھے گھبرا کر رخت سفر باندھنے لگے یہ بڑا نازک وقت تھا اہل وطن تصویر غم بنے ترک وطن پر آمادہ ہو رہے تھے۔ خود نذیرؔ کے بزرگ ساتھی نیرؔ اکبر آبادی جیسے ثابت قدم راہ راست سے بھٹک چکے تھے۔ چنانچہ نیرؔ صاحب نے اس شعر میں اپنا دل کھول کر رکھدیا۔

کنج قفس میں رہتا ہوں پر تول تول کے
صورت قیام کی ہے ارادہ سفر کا ہے

لیکن نذیرؔ کی نگاہ اس دم ٹوٹتی ہوئی رات کے دامن سے ابھرتے ہوئے سویرے کو دیکھ رہی تھی ان کی اس وحشتناک عالم میں کہی ہوئی نظم۔ "ایک مہاجر دوست سے" ان کے عقاید اور جذبات کی بہترین ترجمانی کرتی ہے۔

وطن کو تو چھوڑ دے مگر کیا غم وطن تجھکو چھوڑ دیگا
نہ ساز کی ہو کہ مطربہ کی ہر اک صدا دکھ بھری ملے گی

وہاں یہ اہل وطن ملیں گے تو وہ بھی تصویر غم ملیں گے

انا ادا غم زدہ ملے گی نظر نظر شبنمی ملے گی

یہاں کا جب تذکرہ چھڑے گا تو ان فضاؤں میں غم کھلیگا

کبھی کبھی شمع دل رہیگی دھواں دھواں زندگی ملے گی

نہ کر مجھے موت کے حوالے وطن سے اے دور جانیوالے

جہاں تڑپتی ہیں آج لاشیں وہاں یہ کل زندگی ملے گی

نیا زمانہ نیا سویرا نئی نئی روشنی ملے گی !

یہ رات جب لے چکے گی ہچکی حیات اک دوسری ملیگی

یہی نہیں نذیر نے اس خوں ریز اور خوں بار دور میں جب کہ سلمان بھائی راتوں کو گھر سے باہر نکلنے میں بھی خطرہ محسوس کرتے تھے اپنی خود اعتمادی اور ثابت قدمی کو مجروح نہیں ہونے دیا اس عالم میں بھی جذبات و جرأت سے بھرپور حب الوطنی سے معمور ایک نظم تعارف کے عنوان سے لکھی اور سب سے پہلے اٹاوہ کے کوی سمیلن میں بیس ہزار آدمیوں کے مجمع میں پڑھی جسکو اس کے بعد پانچ چھ سال تک لوگ بڑے بڑے جلسوں میں پڑھتے رہے۔

ہمیں تھے ہمیں ہیں اہنسا کے حامی   اتارا ہے ہنس ہنس کے طوق غلامی

سلامی دو اے چاند تارو سلامی ہمالہ کی چوٹی گندھی جا رہی ہے

وطن کی جوانی چلی آ رہی ہے

نہیں ہمکو اغیار کی اب ضرورت ہمارا چمن ہم کریں گے حفاظت

فرشتہ بھی آئے تو لے کر اجازت فلک یہ نہیں سرزمین چمن ہے

یہ جنّت نہیں ہے ہمارا وطن ہے

محبت سے مِل جُل کے باہم رہینگے یہ مانا کہ تعداد میں کم رہیں گے

جہاں تم رہو گے وہیں ہم رہیں گے کسی نے اگرمال و زر دے دیے ہیں

وطن کے لئے ہم نے سَر دیدیئے ہیں

ہمیں ڈوبنا اور ابھرنا یہیں ہے ہے گنگا یہیں پار اترنا یہیں ہے

جئے ہم یہیں ہم کو مرنا یہیں ہے ہم آباد و برباد بیباک ہوں گے

اسی خاک کے ہیں یہیں خاک ہونگے

اجل کو گلے سے لگانا گوارا گوارا لہو میں نہانا گوارا

وطن سے نہیں ہم کو جانا گوارا وہ جائے کہیں جو یہاں کا نہیں ہے

ہمارا تو سب کچھ یہیں تھا یہیں ہے

مٹا دے جو دشمن کو وہ وار ہیں ہم وفادار تم کیا وفادار ہیں ہم!

وطن کی سپر اور تلوار ہیں ہم جو دشمن کبھی گرم پیکار ہونگے

تو ہم پہلے مرنے کو تیار ہونگے

قدم اور آگے بڑھانا ہے ہمکو	ابھی دور منزل ہے جانا ہے ہمکو

اک اجڑے جہاں کو بسانا ہے ہمکو	یہ آزاد ہونے کا حاصل نہیں ہے

یہ منزل کا دعوکا ہے منزل نہیں ہے

اور جب خونی رات ہچکی لے چکی نیا سویرا نمودار ہوا تو جیسے نذیرؔ کو اپنے خوابوں کی تعبیر نظر آنے لگی۔ تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے منزلیں طے کرتے ہوئے کاروان ترقی نے انکے رگ وپے میں جوش و مسرت کے طوفان برپا کر دیئے اہل وطن کے عزم جواں کو جواں تر بنانے کا جذبہ ان کے اشعار سے پھوٹ پھوٹ پڑا۔ قاتل فرنگی کا داؤں سے گمراہ ہو کر دیش ماتا کے سپوت مادر وطن کا لہو تک بانٹ چکے تھے باپو کا خون سرخیٔ داستاں بن چکا تھا۔ نذیرؔ ان واقعات کو قوم کے صبر کا امتحان سمجھتے ہوئے اٹل وشواس رکھتے ہیں کہ یہ کاروان ارتقا اب ناقابل تصور بلندیوں کی طرف گامزن ہوگا۔ محنت کشوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

ٹوٹتے ہیں ہزاروں چٹانوں کے سر	جب کہیں جاکے بنتی ہے اک رہگذر

لاکھوں فرہاد مل کر لڑاتے ہیں جاں	تب یہ تیر یہا کہیں ہوتی ہے جلوہ گر

دیکھتے جایئے محنتوں کے نشاں

رک سکے گا نہ روکے سے یہ کارواں

نئی حیات کی تعمیر حسن تدبیر کی محتاج تھی مل جل کے کام کرنے والے ساتھیوں نے یہ میدان بھی سر کر لیا۔ دریاؤں کے رخ پھیر دیئے گئے اور طوفانوں کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ نئی سڑکیں کیا ہیں گویا مادر وطن کے سر پہ بہت سی مانگیں ہیں دھان کی کھیتیاں نہروں سے شاداب کھڑی ہیں زندگی ہر طرف کروٹیں لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے پھیلتے ہوئے پیڑوں پہ نظر ڈالئے کل تک موم کی طرح نرم تھے آج آندھیوں سے ٹکر لینے کے لئے آمادہ ہو رہے ہیں۔

پیڑ پیڑوں پہ اپنے کھڑے ہوگئے — کیا یہ بے بال بودے بڑے ہوگئے

آندھیوں سے بھی لینے لگے ٹکریں — موم جتنے تھے اتنے کڑے ہوگئے

بڑھتے جائیں گے سڑکوں کے بیاباں

رک سکے گا نہ روکے سے یہ کارواں

کتنے کھیتوں کے سینے ابھارے گئے — کتنے پودوں کے گیسو سنوارے گئے

تھا نہ پانی جہاں سیکڑوں میل تک — ہم وہاں لیکے دریا کے دھارے گئے

کہہ رہی ہے یہ تر ہوکے سوکھی زباں

رک سکے گا نہ روکے سے یہ کارواں

اپنے پربت کو جب ہم سجانے لگے — ہنس کے آئینے جھرنے دکھانے لگے

حسن اتنا بڑھا غیر ملکوں سے لوگ آرزو لیکے درشن کو آنے لگے

دیش بن جائے جھنگ نہ جنت نشاں

رک سکے گا نہ روکے سے یہ کارواں

وطن کی آزادی سے ملک کا سیاسی ماحول تو بہتر ہو گیا لیکن دولت کی غیر عادلانہ تقسیم نے نچلے طبقوں کو حسب معمول سرمایہ داروں کی آہنی گرفت میں مقیّد رکھا۔ اقتصادی بدحالی کی چکی میں پستے ہوئے محنت کش عوام اب بھوک سے دَم توڑتے نظر آرہے تھے۔ بنارس بنکروں کا مرکز ہے یہاں کے دستکار دنیا بھر میں مشہور ہیں بنارسی مال ملک میں بھی کافی کھپتا ہے اور غیر ممالک میں بھی جاتا ہے لیکن ہنر کے اِن قیمتی شاہکاروں کو جنم دینے والے ہنرمند ہمیشہ مہاجنوں اور کوٹھی والوں کی منافع خوری اور زیادتیوں کے شکار رہتے تھے۔ نذیرؔ بنکروں کے ماحول میں پلے تھے انکا حساس دل ان مظلوموں کی بدحالی پر بہت کڑھتا تھا۔

ستارے جھلملاتے ہیں سویرا ہونے آیا ہے

انھیں دیکھو یہی مزدور بنکر ہیں بنارس کے جسے چھو دیں وہی سونا یہ وہ ٹکڑے ہیں پارس کے

یہ ہو جاتے ہیں بے دم شام تک دم کے دبانے میں بہ باطن قبر کے اندر بظاہر کارخانے میں

مسرت دوراں سے رنج انکے پاس رہتا ہے یہ دنیا بنکروں کی ہے یہیں افلاس رہتا ہے

زباں کو آشنا کرتے نہیں حرفِ شکایت سے
مصیبت ان سے لڑتی ہے یہ لڑتے ہیں مصیبت سے

خوشی کا دن جب آتا ہے تو یہ رنجور رہتے ہیں
کوئی تہوار آتا ہے تو یہ چھپ چھپ کے روتے ہیں

اگر بیمار پڑتے ہیں دوا تک کر نہیں سکتے
ستم یہ ہے کہ مرنا چاہتے ہیں مر نہیں سکتے

کفن آتا ہے چندے سے یہاں کے مرنے والوں کا
یہی ہے آخری انعام سب کچھ کرنے والوں کا

انہیں کے خون کا گارا ہے ہر اونچی عمارت میں
انہیں کے خون کی رنگینیاں ہیں بزمِ عشرت میں

انہیں آنکھوں کی چھینی روشنی روشن مکانوں میں
انہیں کی آہ کے شعلے ہیں رقصاں قصر خانوں میں

نئے سر سے زمانہ کروٹیں اب لینے والا ہے
چراغِ عیش بجھنے ہی کو ہے لو دینے والا ہے

قسم ان آنسوؤں کی دور اندھیرا ہونے والا ہے
ستارے جھلملاتے ہیں سویرا ہونے والا ہے

ان بنکروں کی زندگی دن بھر کرگھے میں مقید ہو کر ساڑیوں کے تانے بانے میں الجھی رہتی تھی شام کو جب دن بھر کی تھکن سے چور ہو کر یہ لوگ اپنا مال لے کر مہاجنوں کے پاس جاتے تھے تو یہ منافع خور سرمایہ دار اول تو مال کا دام اونے پونے لگاتے جب ریزہ خرید لیتے تو دام چکاتے وقت مندر یا مسجد کے نام پر انکی مزدوری سے کچھ رقم الگ کاٹ لیتے تھے اس کٹوتی کو معاملے کا جزو خیال کیا جاتا تھا بنکروں کو اس میں دم مارنے کی مجال نہ تھی سنہ ۱۹۵۱ء میں مزدوروں کی بے چارگی اور مہاجنوں کی روز افزوں حرص کے پیش نظر یہ کٹوتی اچانک بہت بڑھ گئی۔ مختلف بہانوں

سے ہنر مندوں کو لوٹنے کی کوششیں برابر بڑھنے لگیں انتہائی ضبط کے باوجود آخر ایک دن بغاوت کا لاوا پھوٹ پڑا بنکر اپنے اپنے کرگھے چھوڑ کر باہر کھلی فضا میں آ گئے بپھرے ہوئے مزدور اب کسی کی سننے کو تیار نہ تھے۔ نذیرؔ اب تک عوام کے دل کی دھڑکنوں کے ترجمان بن چکے تھے ان کی ساری ہمدردیاں مزدوروں کے ساتھ تھیں مہاجنوں کے خلاف اسّی ہزار بنکروں کا لمبا جلوس نکلا اس جلوس میں ہندو بنکر اور بنگالی بنکر بھی شامل تھے یہ جلوس ٹاؤن ہال پہنچ کر جلسے میں تبدیل ہوگیا اس اسّی ہزار بنکروں کے مجمع میں نذیرؔ کی آواز سب سے موثر ثابت ہوئی۔

کب تلک زخم ہنس ہنس کے کھائینگے ہم — کب تلک چوٹ دل کی چھپائیں گے ہم
ناتوانی کو طاقت بنائیں گے ہم — موت سے زندگی چھین لائیں گے ہم
اس کٹوتی کی میت اُٹھائیں گے ہم

پورے دن قبر میں جسم آدھا رہے — گھر میں اس پر بھی اک وقت فاقہ رہے
بھوک سے گرم تن، سرد چولہا رہے — اس طرح خون کب تک جلائیں گے ہم
اس کٹوتی کی میت اٹھائیں گے ہم

کون کس کی ہنسی چھین کر شاد ہے — کون کس کے اجڑنے پہ آباد ہے
کس کے لاشے پہ کوٹھی کی بنیاد ہے — تم بتاؤ تمہیں بھی بتائیں گے ہم

اس کٹوتی کی میت اٹھائیں گے ہم

سونے چاندی کے ہیروں کے تخت جگر
اونچی اونچی حویلی کے جان پدر
بھاری بھاری تجوری کے نور نظر
اب کچھ اپنے لئے بھی کمائیں گے ہم

اس کٹوتی کی میت اٹھائیں گے ہم

جس میں چہروں کا چھلتا ہوا نور ہے
جس کی رفتار میں آہِ مجبور ہے
جس کے پٹرول میں خون مزدور ہے
ایسے موٹر کی دھجی اڑائیں گے ہم

اس کٹوتی کی میت اٹھائیں گے ہم

تم سے آباد ہوٹل بھی ہیں بار بھی
تم سے کوٹھے بھی کوٹھے کے بازار بھی
تم کو نفرت بھی تم ہی خریدار بھی
پاپ کرنے سے تم کو بچائیں گے ہم

اس کٹوتی کی میت اٹھائیں گے ہم

وارث ہند و ہندوستاں زاد ہیں
ہم بھی اس دلنشیں ماتا کی اولاد ہیں
تم ہو آزاد تو ہم بھی آزاد ہیں
اب غلامی کی لعنت ہٹائیں گے ہم

اس کٹوتی کی میت اٹھائیں گے ہم

ایسے جینے کی ہم کو ضرورت نہیں
اب تو یا ہم نہیں یا مصیبت نہیں
گر ہماری حکومت کو فرصت نہیں
خود حکومت تلک لے کے جائیں گے ہم

اس کٹوتی کی میت اٹھائیں گے ہم

آناً فاناً یہ نظم گویا بے زبانوں کی زبان بن گئی کٹوتی تحریک کے

بھیمرنے میں ان اشعار نے جلتی پر تیل کا کام کیا مختلف روز ناموں
نے بنکروں کی حمایت میں جو اداریے لکھے ان کا عنوان بھی" اس
کوٹی کی میت اٹھائینگے ہم" قرار پایا۔ آخر آتے آتے وہ دن آیا کہ
مہاجنوں کو جھکنا پڑا اور کوٹی کی تحریک ختم کر دی گئی لیکن مہاجنوں
کی جھنجھلاہٹ کچھ دنوں تک باقی رہی نذیر کی ایک اور نظم کوٹی
کا دسواں اس کیفیت کی بھرپور ترجمانی کرتی ہے ایک مہاجن نے
جھنجھلاہٹ میں ایک کاریگر کو طمانچہ لگا دیا تھا نظم کے دوسرے بند
میں اسی طرف اشارہ ہے۔

کوٹی کا دسواں ۱۰

بتاؤ تو جھنجھلائے جھنجھلائے کیوں ہو — کہو آج بل کھائے بل کھائے کیوں ہو
یہ ناگن سے لہرائے لہرائے کیوں ہو — ادا تیغ بنکر چمکنے لگی کیوں
نظر برق بنکر کڑکنے لگی کیوں

بگڑنے پہ آئے بگاڑی زباں تک — سنا ہے سنائی گئیں گالیاں تک
شرافت بڑھی بڑھ کے آئی یہاں تک — طمانچے نہیں بلکہ جوتے لگا دو
یہ مزدور جس طرح جاگیں جگا دو

مہاجن گیا ہم اسامی نہیں اب — جبیں کوئی بہر سلامی نہیں اب

کہ یہ دورِ دورِ غلامی نہیں اب　　　سمندر کے پار اب ہے گورا ساجن

پکارے گا کس کو ہمارا سہاجن

ہیں نواب لیکن جلالت کہاں ہے　　　ہیں راجہ تو اب بھی ریاست کہاں ہے

لہو ہے وہ ظالم حرارت کہاں ہے　　　نہ اب تخت کوئی نہ گدّی رہیگی

جو حالت ہماری وہ سب کی رہے گی

سجاتے ہو گھر کیوں　وطن کو سجاؤ　　　محل کو نہیں دیش کو جگمگاؤ

خود انساں بنو سب کو انساں بناؤ　　　گھٹا بن کے چھا جاؤ چھا کر دکھا دو

برس کر محبت کی گنگا بہا دو!!!

ہنسو اب ہنسی اس کے غم کی اڑاؤ　　　کٹوتی کا نام اب زباں پر نہ لاؤ

وہ بھولی تمہیں تم اسے بھول جاؤ　　　چمک اس کی جھوٹی تھی ہیرا نہیں تھی

وہ ظالم سُو پنکھا تھی سیتا نہیں تھی

تمنا ہنسے آرزو مسکرا اُسے　　　ہر اک دل کو اللہ جنّت بنائے

وہ ظالم تھی ظالم جہنم میں جائے　　　کٹوتی گئی کٹ گئیں سب بلائیں

تم آؤ تو بل جُل کے دسواں منائیں

اردو شاعری پر ایک بہت بڑا الزام جو آج تک اسے نیچا دکھانے کے لئے برابر عائد کیا جا رہا ہے وہ اسکی غیر ملکی فضا اور بدیسی ماحول ہے۔ عربی و فارسی شاعری کے تاثرات کا جواز ایک طرف حقیقت

یہ ہے کہ عام طور پر ہمارے شعراء نے خود اپنی ملکی کیفیتوں سے
لطف اندوز ہونے کی بجائے اکثر ایران اور عربستان کی فضا میں
میں سانس لینے پر فخر محسوس کیا ہے ہندوستانی کلچر کا دل ہندی اور سنسکرت
لٹریچر میں دھڑکتا ہے جس کے مطالعہ سے اردو شعراء اکثر و بیشتر
بے نیاز رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین کے ہاتھ میں ایک
ایسا ہتھیار آگیا جسے انہوں نے اردو کے قلعۂ معلیٰ کو مسمار
کرنے کے لئے قدم قدم پر استعمال کیا ایک منصف مزاج کی
نظر میں اردو شاعری پر یہ اعتراض اگر کاملاً صحیح نہیں تو اسے یکسر
غلط بھی نہیں کہا جا سکتا خود اردو والوں نے ایک مدت تک اسکی
پرواہ بھی نہیں کی بلکہ اس الزام کو الزام ہی نہیں سمجھا گیا کہ اُسے
دور کرنے کی کوشش کی جاتی جن شعراء کے یہاں ہندوستانیت
کے عناصر بدرجۂ اتم موجود تھے انہیں اکثر شاعر ہی نہیں سمجھا گیا چنانچہ
ابھی کچھ برس پہلے تک قطب قلی شاہ کی شاعری دکن کے ایک محلی
لہجے میں محدود خیال کی جاتی تھی اور نظیر اکبر آبادی ایک تک بند
درویش سے زیادہ کچھ نہ تھے۔ موجودہ دور میں بھی خالص
ہندوستانی کلچر اور ماحول کی ترجمانی اکثر مصلحتِ وقت کی مرہونِ
منت ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنکا خلوص معنی خیز

نتائج پیدا کر رہا ہے فراق ایک مدت سے اس کوشش میں ہیں
کہ نظیر اکبر آبادی ، سرور جہاں آبادی ، برق دہلوی اور چکبست لکھنوی
کی روایات کو آگے بڑھانا چاہیئے ۔ انہوں نے بہت پہلے سے اپنی
شاعری خاص طور سے رباعیات میں ایسی فضا قائم کرنے کی شعوری کوشش
کی ہیں جو بقول ان کے ہندوستان کے چاند تاروں کو آئینہ دکھائے
عربستان کے ان دیکھے صحراؤں کے مقابلے میں ایکھ کے کھیتوں کی
چمکتی سطحوں اور معصوم کنواریوں کی دلکش دوڑ کا ذکر کیا ہے جو
شبِ ماہتاب میں اسلئے کھیتوں کے بیچوں بیچ چھلانگیں لگاتی
ہیں کہ ایک ہندوستانی قدیم روایت کے مطابق ایکھ اتنی
ہی اونچی اُگے گی جتنی اونچائی سے معصوم کنواریاں چھلانگیں
لگائینگی ۔

زلف کی خوشبو ہندوستان کے مہکتے ہوئے بن کی طرح معلوم
ہوتی ہے تو سنبل کا تصور غیر حقیقی محسوس ہونے لگتا ہے ۔ محبوبہ
کے لئے شاخِ طوبیٰ کی تشبیہہ عام ہندوستانی کی سمجھ سے باہر
تھی جب اس کے قد کی بالیدگی کو پریم لتا کے بڑھان چڑھنے سے
مشابہ کیا گیا تو ساری کیفیت مجسم ہو کر آنکھوں میں پھر گئی ۔ اس
طرح تلمیحات میں بدیسی حوالے وہ لطف پیدا نہیں کر سکتے جو

اپنے یہاں کی اپما ؤں میں ہے۔ عاشقوں کو افسانۂ قیس سنا

سنا کر اور محبوباؤں کو لیلیٰ بنا بنا کر اردو والوں نے اپنا کیس

کافی کمزور بنا دیا ہے ظاہر ہے کہ شکنتلا، دشنیت، نل اور

دمینتی کے مقابلہ میں شیریں وفرہاد اور وامق و عذرا بیگانے ہیں

اور صرف بیگانوں سے وابستگی اپنوں سے قطع تعلق کا باعث

بھی ہو سکتی ہے اسی طرح زبان و بیان کا مسئلہ بھی غور طلب

ہے ہر موضوع کے لئے مخصوص قسم کا لب و لہجہ اختیار کیا جاتا

ہے۔ ہندوستانی کلچر کی نیچرل ترجمانی ہندوستانی لغات سے ہی

کی جا سکتی ہے۔ ہمارے رسوم و رواج مخصوص اصطلاحات

رکھتے ہیں ان کے مترادفات عربی اور فارسی میں تلاش کرنا

بے کیف تصنع ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں یہ بات یہاں پوری ذمہ داری

سے کہنا چاہتا ہوں کہ مذکورہ نظریات کو نذیرؔ نے اچھی طرح

سمجھا اور پرکھا ہے۔ کاشی شنکر کی راجدھانی ہے اور نذیرؔ بنارسی

پشتینی کاشی نواسی ہیں ان کے کلام میں شنکر کی جٹاؤں سے نکلی

ہوئی گنگا کی روانی بھی ملتی ہے اور گنگا جل کی پاکیزگی بھی

ان کے یہاں بنارس کے حسن اور رعنائی کے ساتھ ساتھ طہارت

بھی ملتی ہے ۔ اور خلوص نیت بھی ان کے اشعار میں عرفان و معرفت کے بھرپور جلوے ہر جگہ برق پاشیاں کرتے نظر آتے ہیں۔

کاشی نگری سے جو آئے لے کے گنگا جل نذیرؔ
منھ پہ وہ چھینٹے دیئے سب کی نگاہیں ڈھل گئیں

☆

موج گنگا کی طرح جھوم اٹھی بزم نذیرؔ
زندگی آ گئی بنارس کا جہاں نام آیا

☆

رسوا ہے نذیرؔ اپنے ہی بتخانے کی حد میں
دیوانہ اگر ہے تو بنارس کی گلی کا

☆

کاشی کا مسلماں ہے نذیرؔ اس سے بھی ملئے
اُس کا بھی اِک انداز فقیرانہ نیا ہے

☆

نذیرؔ آئے تھے پینے آب زمزم
لئے تھے ہاتھ میں گنگا جلی بھی

☆

کاشی نگری کی خاک ہوں پیارے
بتکدہ ہے مرا نواس استھان
سجدہ وہ بھی بتوں کے جھرمٹ میں
کتنا مضبوط ہے میرا ایمان

مرے بعد اے بتانِ شہر کاشی — مجھ ایسا اہلِ ایماں کون ہوگا
کرے ہے عین بتخانے میں سجدہ — نذیرؔ ایسا مسلماں کون ہوگا

کاشی نگری نذیرؔ اپنی نگری — بت کے ہم اور ہر بت ہمارا

سُن رہا ہوں نذیرؔ ایسا مومن — بت کدے میں لگاتا ہے پھیرا

مرا من ہے شہر گوکل کی طرح سے نغمہ سرا ؛ مری سانس ایسی جیسے کوئی بانسری بجائے
مری ایک آنکھ گنگا مری ایک آنکھ جمنا ؛ مرا دل خود ایک سنگم جسے پوجنا ہو آئے

نظم - چاندنی رات ہے گنگا کے کنارے چلئے، اس سلسلے میں
خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ بنارس کے گھاٹ اس انداز
سے شاید برسوں کے بعد کہیں جلوہ گر ہوئے ہوں۔ شیخ

علی حزیں سے جاں نثار اختر تک کو یہاں کے گھاٹ پر سوائے
کنواریوں اور پری رخوں کے اور کسی چیز کا وجود نہیں ملا۔
بھیگے آنچل، سینوں کے ابھار، شاداب بدن اور ارغوانی
چہروں کی تاک جھانک یا ایرانیوں کی اصطلاح میں چشم چرانی
کے لئے اس سے بہتر کوئی اور مقام ان کی نظر میں نہیں۔
سعادت یار خاں رنگین جیسے بوالہوس گھاٹ کے چکر لگا
رہے ہیں تو محض اس لئے کہ عورتوں کو کپڑے بدلتے ہوئے
دیکھیں اور پانی میں وہ آگ لگتی دیکھیں جس سے ان کے جنسی
جذبات کے اشتعال کا سامان ہو جائے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں

اِک سمت بنیاں ہیں خوش رو ۔۔۔ بنگالنیں ایک رخ ہیں دل جو
چھینٹوں سے پڑے ہیں ایک سے ایک ۔۔۔ دیکھے ہیں کھڑے انہیں بد و نیک
پیہم کوئی غوطہ ہے لگاتی !! ۔۔۔ کوئی لے ہے چھپا دکھا کے چھاتی
کوئی پھرتی سے دکھانے کو پیٹ ۔۔۔ ہنس کر جاتی ہے پانی پر لیٹ

پہنے ہے کھڑے ہی کوئی پوشاک
ننگی ہی کھڑی ہے کوئی بیباک

(سعادت یار خاں رنگین)

اس حمام میں آکر بہت بڑے بڑے بزرگ بھی ننگے ہو گئے

ہیں ۔ صفی لکھنوی شیعہ کانفرنس میں شرکت کے لئے بنارس آتے

ہیں ۔ لیکن قوس قزح کے رنگ میں ڈوبی ساڑیوں کے پیچھے

چمکتے ہوئے آفتابی بدن انہیں گھاٹ پر کھینچ لاتے ہیں چند اشعار

ملاحظہ ہوں ۔

دیکھکر آب رواں میں حسن کی دلکش بہار

صاف سینوں سے جوانی کی امنگیں آشکار

جال پھیلائے ہوئے پانی پہ زلف تابدار

بال کا باندھا چلا آتا ہے جس میں خود شکار

دیندار کی نگاہیں تبان کافرادا کے بدن کس پھرتی سے ٹٹول رہی

ہیں سماعت فرمائیے ۔

حسن کا شیوہ اسی پردے میں ٹھنڈی گرمیاں

کوندتی ہیں ابر کے اندر ہی اندر بجلیاں

ضوفشاں سورج سے لیکن ہٹ گیا بادل جہاں

خود کہے گی طاقت نظارہ دیکھ امتحاں

جامہ زیبی سے دوبالا شان محبوبی ہوئی

ساریاں قوس و قزح کے رنگ میں ڈوبی ہوئی

اور یہیں تک بس نہیں ۔ یہ بزرگ اس نظارہ بازی کے بعد بتان دیر

سے چھیڑ خانی پر اتر آتے ہیں۔

جھومتے نکلو بنارس میں جدھر بھی سیر کو
چھیڑ کر کلمہ پڑھاؤ ان بتان دیر کو

اس اخلاق سوز ذہنی عیاشی کے مقابلے میں نذیر نے بنارس کا انتہائی پاکیزہ اور صحیح تصور پیش کیا ہے معنی کے بعد اب بنارس کے گھاٹ کا نظارہ ان کی آنکھوں سے دیکھئے۔ گنگا کا تقدس اور شنکر کی ترلوک سے نیاری نگری کا احترام ہر وقت ان کے پیش نظر ہے وہ گھاٹ پر جاتے ہیں تو روح تلسی اور روح کبیر کی زیارت کے لئے گنگا ماں کی طرح آغوش پھیلائے نظر آتی ہے ماحول کی پاکیزگی بیمار روحوں کو شفا بخشتی ہے۔ "چاندنی رات ہے گنگا کے کنارے چلئے" کے چند بند ملاحظہ فرمائیے۔

ایک کیلاش پتی کی ہے سنواری نگری
کوئی نگری نہیں اس نگری سے پیاری نگری
اپنی نگری تو ہے ترلوک سے نیاری نگری
کیوں نہ ہم لوگ ہوں ترلوک سے نیارے چلئے
چاندنی رات ہے گنگا کے کنارے چلئے

ممتا ماں کی وہاں پریم وہاں پیار وہاں
جتنے سپنے ہیں نظر آئیں گے ساکار وہاں!
آ نہ پائے گا کبھی کوئی اندھکار وہاں!
ہیں دکھی آپ تو ہم درد کے مارے چلئے
چاندنی رات ہے گنگا کے کنارے چلئے

چپ ہے ماحول مری رام کہانی کی طرح
رات پاکیزہ ہے سیتا کی جوانی کی طرح
پھیلی جاتی ہے مہک رات کی رانی کی طرح
ہوتے جاتے ہیں اشاروں پہ اشارے چلئے
چاندنی رات ہے گنگا کے کنارے چلئے

ہوں گے گھاٹوں پہ رشی اور منی پیر فقیر
روح تلسی بھی وہیں ہو گی وہیں روح کبیر
اپنی پوجائیں ہوں سب پریم کی پوجائیں نذیرؔ
آرتی آپ کے بن کون اتارے چلئے
چاندنی رات ہے گنگا کے کنارے چلئے

گنگا کے تین روپ میں گنگا خالص ہندوستانی روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے نظم کے دو بند ملاحظہ ہوں۔

ملا ہے گنگا کا جل جو نرمل اتر کے اوشا نہا رہی ہے
ہوا ہے یا راگنی ہے کوئی ٹہل کے وینا بجا رہی ہے
اندھیرے کرتے ہیں صاف رستہ سواری سورج کی آ رہی ہے
کرن کرن اب کلس کلس کو سنہری مالا پہنا رہی ہے
ہوئی ہے کتنی حسین گھٹنا نظر کی دنیا سنور رہی ہے
کرن جو چڑھتی تھی جوبن کے مالا وہ دھوپ بنکر اتر رہی ہے

پہنکے آب رواں کی ساڑی رواں ہے سیماب وار گنگا
رواں ہیں موجیں کہ ماں کے دل کی طرح سے ہی بیقرار گنگا
وہ چھوت ہوں یا اچھوت سب کا اٹھا کے چلتی ہے بھار گنگا
یہاں نہیں اونچ نیچ کوئی اتارے ہے سب کو پار گنگا!
نذیرؔ انتر نہیں کسی میں سب اپنی ماتا کے ہیں دلارے
یہاں کوئی اجنبی نہیں ہے نہ اس کنارے نہ اس کنارے

اسی انداز میں ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

ڈھانکے ہے ہر اک قوم کو اک آنچل سے
پاکیزگی ملتی ہے اسی کے بل سے

گنگا کی طہارت کوئی ان سے پوچھے
جو روز وضو کرتے ہیں گنگا جل سے

ہندوستانی دیو مالا سے نذیر بخوبی واقف ہیں اسی لئے ان کے یہاں تشبیہات اور ایماؤں میں ملکی عنصر کا غلبہ ہے۔ ان کے یہاں اس قسم کے اشعار کی کثرت ہے چنانچہ ایک ہی نظم میں بہت سے اشعار پیش کئے جا سکتے ہیں۔

مرے خیال نے پہونچا دیا ہے کس کے پاس
شکنتلا کی انگوٹھی کی طرح گم ہیں حواس

زمانہ ہو گیا بن سائیں سائیں کرتا ہے
تمہارے بعد کسی کو نہ مل سکا بن باس

پھر چیر ہرن کے بعد کوئی ننگی نہیں اتری جمنا میں
ہر ایک کا پردہ رکھا ہے اس پردہ اٹھانیوالے نے

ہر صبح کے لب پر کسی رادھا کا تبسم
ہر شام کے پردے میں کسی شیام کا ڈیرا

کسی کے کان بھرنے میں اجودھیا ہو گیا خالی
ذرا سی گھر کی ان بن اور بن تک بات جا پہنچی

رباعی

شبنم کی طرح شعلہ بیانی اپنی
گنگا کی طرح نرم روانی اپنی
راون کی طرح پوچھ رہے ہیں وہ مزاج
ہم کیسے کہیں رام کہانی اپنی

گل جا با جو اوروں نے لگا گلشن ہاتھ
مجھ کو تو لگا خالی مرا دامن ہاتھ
مجھ چھوٹے سے قد والے کا کیا ہو گا رام
لنکا میں سبھی دیکھو وہی باون ہاتھ

سادھو ہے نذیرؔ اپنا نا گوسائیں ہے
کہتا ہے پتے کی وہ بڑا کائیں ہے
سب لوگ سمجھتے ہیں جسے شام اودھ

شنکر کی جٹاؤں کی وہ پرچھائیں ہے

مہاکوی تلسی داس جی ساون کے مہینے میں تیج کو پیدا ہوئے تھے اور ستی کو ان کا دیہانت ہوا تھا ولادت اور وصال میں چار روز کا فرق نذیر کے لئے بہت اہم ہے ۔

تیج کو آئے ستی کو گئے : آنے جانے میں ایک راز بھی ہے
ساری دنیا کو یہ بتانا تھا : زندگی صرف چار دن کی ہے

ہندوستان کی قدیم تہذیب سے نذیر کو والہانہ عقیدت رہی ہے ان کی اکثر تخلیقات میں یہ جذبہ کچھ اس انداز سے نمایاں ہے کہ قاری کو یقین ہونے لگتا ہے کہ نذیر کو سنسکرت اور ہندی کے کلاسیکل لٹریچر سے گہری واقفیت ہے
آج سے کوئی آٹھ سال پہلے مہاکوی کالی داس پر نظم لکھنے کیلئے کئی زبانوں کے شعراء کو دعوت دی گئی تھی ہندی کے شعراء کی تعداد زیادہ تھی لیکن جب ایک ہی اسٹیج پر بہ یک وقت ساری نظمیں پڑھی گئیں اور نذیر نے اپنی نظم سنائی تو ڈاکٹر سمپورنا نند نے جو اس بزم کے صدر بھی تھے نذیر کی نظم کی پاکیزگی اور بحر کے انتخاب کی داد ایسے خاص انداز سے دی کہ جیسے حاصل بزم یہی نظم ہو ۔ یہ نظم عجلت میں لکھی گئی تھی

لیکن اس کے باوجود یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے کالی داس کی روح کو چھو لیا ہے یگوں دوت کے خالق کو پہلے بند میں جلوہ گر دیکھئے۔

ہر حسین منظر کی آڑ میں گذر انکا — ہنس پڑے ادھر جلوے رُخ ہوا جدھر انکا
ان کو سب سے ہے نسبت وہ ہیں شاعر فطرت — ہر کلی میں دل انکا پھول میں جگر ان کا
ہر ہوا کے جھونکے میں کالی داس کا قاصد — ہر پہاڑ کا جھرنا ایک نامہ بر ان کا
انکار تھ ہر اک تصویر وہ خیال کے تصویر — ہر جگہ قیام ان کا ہر طرف سفر ان کا

کالی داس تنہا بھی اور بھری محفل بھی
راہرو بھی رہبر بھی راستہ بھی منزل بھی

اب انھیں شکنتلا کے جنم داتا کی حیثیت سے ملاحظہ فرمایئے۔

چھا گئے ہیں دنیا پر بن کے درد کا بادل — آنسوؤں کی بھاشا میں لکھ گئے ہیں شکنتل
آشرم کی ویرانی غم اور اتنا طوفانی — کانپ کانپ اٹھے پنچھی چیخ چیخ اٹھا جنگل
اک شکنتلا کا غم اور سب کی آنکھیں نم — پھوٹ پھوٹ کر رشی روئیں روئے ہرنیوں کا دل
لوگ بڑھتے جاتے ہیں ہوش اڑتے جاتے ہیں — عشق کی کہانی کیا جو بنا نہ دے پاگل

سر جھکانا پڑتا ہے ایک ایک آیما پر
کالی داس چھائے ہیں آج ادب کی دنیا پر

نذیرؔ بہت پڑھے لکھے نہیں ہیں ان کے پاس غالباً ایک بھی
تعلیمی دم چھلاّ نہیں ہے انہوں نے مکتب کے علاوہ جو کچھ سیکھا
ہے اپنے گھریلو ماحول سے ہے ۔ انکی ذہنی تربیت ایک حد تک
ان کے بڑے بھائی حکیم محمد یٰسین صاحب مسیحؔ کی بھی مرہون منت ہے
نذیرؔ نے غائبانہ طور پر اپنے دوسرے بزرگوں اور رفقاء
کی ہم نشینیوں سے بھی بہت کچھ سیکھا ہے ان ہم نشینوں
میں بنارس کے تربیت یافتہ ان بڑھ بھی شامل رہے ہیں اور جگرؔ،
فراقؔ، مخدومؔ، مجازؔ، مجروحؔ، مسعود اختر جمال اور سلام
جیسے شیریں سخن بھی ۔ اردو کے باکمالوں کے ساتھ ساتھ
وہ ہندی کے مقتدر ادبا اور شعراء سے بھی بہت قریب
رہے ہیں ۔ ڈاکٹر سمپورنا نند جی، ہزاری پرشاد دویدی،
ڈاکٹر راج بلی پانڈے، ونود شنکر ویاس، کرشن دیو پرشاد
گوڑؔ، اور پنڈت کانتا پرشاد جی نذیرؔ کے مداحوں میں ہیں
ڈاکٹر ہربنس رائے بچنؔ انکو اور ان کے کلام کو بڑی
قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں ۔ یہی سبب ہے کہ جدید
اردو شعراء کی عام روش کے برعکس ان کے یہاں ایک
طرف فارسی اور عربی کے الفاظ گھلے ملے نظر آتے ہیں

تو دوسری طرف بھاشا کی شیرینی کی خوش مزہ آمیزش ان کے کلام کو ہر ہندوستانی کے لئے نہایت آسان اور عام فہم بنا دیتی ہے ہندوستانی موضوعات کے لئے انہوں نے ہندوستانی زبان کو اس چابکدستی سے استعمال کیا ہے کہ اسٹیج اور کاغذ دونوں پر ان کی ہر دل عزیزی قابل رشک محسوس ہوتی ہے ان کے کلام کو اگر اردو ہندی کا سنگم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اردو والوں نے ہندی والوں سے اور ہندی والوں نے اردو والوں سے ہمیشہ بے اعتنائی برتی ہے لیکن موجودہ دور میں یہ بات دونوں زبانوں کے حق میں بہت مضر ثابت ہو رہی ہے۔ ہندی بغیر اردو کی شان وشوکت کے ادھوری ہے اسی طرح بغیر ہندی کی شیرینی کے اردو نا مکمل ہے نذیرؔ اس بات کو عملی طور پر محسوس کرتے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اردو اور ہندی والوں کے درمیان آج ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لوگ مشاعروں سے زیادہ انہیں کوی سمیلنوں میں سننے کے مشتاق رہتے ہیں۔ یو پی کے دیہات میں جہاں لوگ محض ہندوستانی سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں شاید نذیرؔ سے زیادہ مقبول شاعر

اردو اور ہندی شعراء میں ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملے گا ہندی کے روز ناموں میں وہ اردو کے شاعر کی حیثیت سے چھپتے ہیں لیکن خود ہندی کے شاعر ان کی زبان اور ان کے پاکیزہ اسلوب کو اس قدر پسند کرنے لگے ہیں کہ چند مشہور شعراء کے یہاں نذیر کی پیروی میں ہندی غزلیں دیکھنے اور سننے میں آ رہی ہیں۔ شاید دوسری زبانوں کو متاثر کرنے کا اس سے اچھا طریقہ اردو والوں کے پاس اور کوئی نہیں۔ یوں تو نذیر کا بیشتر کلام ہندوستانی میں ہے لیکن کہیں کہیں اردو اور ہندی کا امتزاج بہت پر تاثیر نظر آتا ہے۔ ہندی کے پرسدھ کوی نرالا کا مرثیہ بہت سے ہندی والوں نے لکھا لیکن نذیر نے جو مرثیہ لکھا اپنی سادگی اور خلوص کے سبب لوگوں کے دل میں اتر گیا اس کے کچھ بند سنئے۔

ہوک دل سے اٹھی آنکھ نم ہو گئی
آج گنگا کی اک موج کم ہو گئی

ماں[1] ترے ساز کا تار ٹوٹا ہے کیا — آج آواز میں زندگی کیوں نہیں
کیوں ہے مرجھائی جوہی کی اک اک کلی — آج بیلا کے منھ پر ہنسی کیوں نہیں

---

[1] پہلے اور دوسرے بند میں نرالا جی کی چھ تصنیفات کے نام بھی آ گئے ہیں

گیت گنج اسقدر آج مدھم ہے کیوں کیسا پیغام گاہک کے نام آگیا
سوگ میں کیوں ہے آرادھنا ارچنا کیا کوئی شکتی پوجا کے کام آگیا

※

شبد اسکے اٹل جیسے انگد کے پاؤں کلپنائیں ہمالہ کی اونچائیاں
اس کی چپ اس کی گمبھیرتا کی پہیلی اس کے دل میں سمندر کی گہرائیاں

※

وقت نے کر دیا سانس لینا محال! ایسے ماحول میں بھی نہ جیتا رہا!
سب کو ہنس ہنس کے دیتا رہا زندگی اور خود زہر کے گھونٹ پیتا رہا

بہت دن پہلے الہ آباد مسلم ہوسٹل کے ایک طرحی مشاعرے میں سر تیج بہادر سپرو نے جو مشاعرے کے صدر تھے نذیر کا کلام سنکر سرِ مشاعرہ فرمایا تھا کہ اگر اردو یہی ہوتی جو نذیر کی غزل کی زبان ہے تو اردو کو یہ دن دیکھنے نصیب نہ ہوتے یہ پیشنگوئی آج اس زبان پر جتنی صادق آئی ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہیں آئی۔ ضرورت ہے کہ زبان کے اس پہلو کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے۔

زیرِ نظر مجموعہ میں نذیر کی بیشتر وہ نظمیں آپ کی نظر سے گذرینگی جو انہوں نے ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۶ء تک کے عرصہ میں کہی ہیں ان نظموں میں اس دور کے ہندوستان کی اجتماعی

زندگی کا بھرپور عکس موجود ہے اور بعض مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان کی روح براہ راست پڑھنے والے سے ہمکلام ہو رہی ہے۔ انمیں سے اکثر ہنگامی موضوعات پر لکھی گئی ہیں اور اخباروں، رسالوں اور ریڈیو کے توسل سے لاکھوں پڑھنے اور سننے والوں سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ قبول خاطر و لطف سخن خداداد ہونے کے سبب نذیر کی یہ باتیں منھ سے نکلتے ہی افسانہ بن جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن خود شاعر کی بے اعتنائی کے پیش نظر آج دن تک انہیں یکجا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی تھی اس صورت میں لانے کے لئے انہیں مختلف ہندی اور اردو رسالوں سے فراہم کیا گیا ہے کچھ نظمیں ریڈیو والے بالا ہی بالا لے اڑے تھے کچھ احباب کے پاس محفوظ تھیں خدا کا شکر ہے کہ اُن سب کو ایک ہی لڑی میں پرونے کا خیال مصنف کے ہونہار اور سعادت مند صاحبزادے ظہیر میاں کے دل میں پیدا ہوا اور اس طرح انہیں "جواہر سے لال تک" کے نام سے پہلے اردو میں اور بعد میں ہندی میں شائع کیا جا رہا ہے۔

"منالیں پہلے ہولیاں" "بچاؤ وطن کا شیوالہ بچاؤ"
"ایسی طرح دیپ جلا" "توانائی" اسوقت غزل کی بات نہ کر"
نظمیں چینی حملے کے وقت لکھی گئی ہیں اور بھارتی عوام
کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔ نہرو جی سے نذیر
کو والہانہ عقیدت رہی ہے اس لئے مرحوم کی چھپا سٹھویں
سالگرہ والی نظم بھی اس میں شامل کر دی گئی ہے اس کے
علاوہ ان کی موت کے بعد کی نظمیں ہیں ۔ شردھانجلی ۔
"جواہرات" "راکھ کی ساکھ" "دور جانا ہے سونے سے
پہلے" "تربینی سے گنگا تک" "پھول سے جنکو پیار بہت تھا اٹھ
گیا ان کا پھول" ایک دو ہفتے میں نہرو جی پر اتنے مرثیے لکھنا نذیر کے
خلوص اور ارادت مندی کی دلیل ہے ۔
رن کچھ کے واقعات کے بعد ہند اور پاک میں جو سمجھوتا
ہوا تھا اس کی رو سے کچھ بھارتی علاقہ شاید پاکستان
کے زیر اثر آگیا تھا نذیر اپنی دھرتی کا ایک چپہ بھی غیروں
کے قبضے میں دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے ان حالات سے
متاثر ہوکر انہوں نے جو نظم قلم برداشتہ لکھی اس کی نظیر
اس موضوع پر لکھی جانے والی نظموں میں نہ ہندی میں ملے

گی نہ اردو میں اس نظم کا عنوان ہے "شنکر کا پیغام بھارتی سینا کے نام" یہ اگست ۱۹۶۵ء یعنی ہند و پاک جنگ سے ٹھیک ایک ماہ پہلے شائع ہوئی تھی حکومت ہند سے براہ راست اختلاف کرنا شاعر کے لئے کوئی خاص موثر بات نہ ہوتی ۔ بنارس کو شنکر بھگوان کی راجدھانی کہا جاتا ہے اس انوکھی نظم میں شنکر براہ راست ہندوستانی فوج کو حکم دیتے ہیں کہ دشمنوں کو سرحد سے پرے پھینک دیا جائے ۔

کبھی کشمیر کا دیا اک انگ   کبھی تبت گنوا کے بیٹھ گئے
کبھی نیفا پہ دیدیا قبضہ   تو کبھی کچھ لٹا کے بیٹھ گئے
جنکو آتا ہے جان دینا وہ   اپنی دھرتی نہیں دیا کرتے
دھرتی ماتا ہے اور ماتا کا   بیٹے سودا نہیں کیا کرتے

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں ہاتم کو آج اپنی راجدھانی سے

ایک خاص بات جو اس نظم میں نظر آتی ہے وہ جنگ کے بارے میں شنکر کی پیشگوئی ہے جس وقت یہ نظم لکھی گئی تھی پاکستان سے جنگ کا کوئی امکان نہ تھا لیکن اس نظم میں جن واقعات کی پیش بینی کی گئی تھی اور جن الفاظ میں فتح کی بشارت دی گئی تھی وہ آنے والے مہینوں میں بالکل

درست ثابت ہوئی۔

چھکے دشمن کے چھوٹ جائینگے ۔۔۔ دیکھکر جنگ تم دلیروں کی
بھیڑیئے منہ چھپا کے بھاگینگے ۔۔۔ کچھ میں ہوگی کچھار شیروں کی
بند ہوگی ڈکار توپوں کی ۔۔۔ ہچکیاں لینگی اب مشین گنیں
اٹھکے تم کو سلامیاں دینگی ۔۔۔ ایک دن دشمنوں کی رائفلیں

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں ! تم کو آج اپنی راجدھانی سے

گولیاں تم سے تھرتھرائینگی ۔۔۔ رائفل جھانکنے لگے گی بغل
بم بھی دشمن کے بول جائینگے بم ۔۔۔ توپ گر گر پڑیگی منھ کے بل
گنگا والے کو چھیڑنے والے ۔۔۔ موت کے گھاٹ اترنے آئے ہیں
ان کو بھننا پڑے گا بھسماسُر ۔۔۔ جو تمہیں بھسم کرنے آئے ہیں

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں ! تم کو آج اپنی راجدھانی سے

ستمبر ۱۹۶۵ء میں ہونیوالی ہند و پاک جنگ کے موضوع پر نذیرؔ کی نظمیں اردو سے ہندی اور ہندی سے ریڈیو وغیرہ میں برابر منتقل اور نشر ہوتی رہی ہیں اس سلسلے کی ایک نظم نیوز ریل میں بھی آ چکی ہے اس کڑے امتحان کے وقت جب ہمارے کچھ شعرائے کرام نے محض اس لئے چپ سادھ لی تھی کہ اس عارضی جنگ کے بعد ہونے والے پاکستانی

مشاعروں میں شرکت کے لئے ان کی پوزیشن صاف رہے
نذیر نے پورے خلوص اور سچی لگن کے ساتھ ملک اور قوم
کا ساتھ دیا ہے "فوجی بھائیوں کے نام" "پڑوسی سے دو
باتیں" "چمن تو اس کا ہے جو خون دے چمن کے لئے" "شردھا
کے پھول" "اے شہیدانِ وطن تم پر سلام" "مادرِ ہند سے" "کوئی
سونے نہ پائے جگاتے چلو" ایسی کئی نظمیں انہوں نے ارتجالاً
کہیں اور لوگوں کی زبانوں پر چڑھ گئیں ان نظموں کا سب
سے بڑا جوہر ان کی زبان کی سادگی اور خیالات کی سچائی
ہے۔ ۱۰؍جنوری کو ایوب، شاستری سمجھوتہ ہوتا ہے جنگ
کے خاتمے کے اعلان کی خبر ریڈیو سے آتی ہے اس کے چھ
گھنٹے کے بعد نذیرؔ کی نظم کاغذ پر آجاتی ہے جو زیر نظر مجموعے
میں "تاشقند سمجھوتہ" کے عنوان سے شامل ہے۔ ۱۱؍جنوری
کو علی الصباح شاستری جی کی غیر متوقع رحلت کی خبر سنکر
ہم ہندوستانیوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ شاستری جی نذیرؔ
کے ہم شہری اور ہم وطن ہونے کے علاوہ بڑے وطن
پرست بھی تھے۔ چنانچہ وطن کے اس مہان سپوت کے
سوگ میں ہندوستان بھر میں جو سب سے پہلی نظم آئی

وہ نذیر بنارسی کی ہے اسکا عنوان ہے "وہ مانجھی جو مرگیا ہے تو دریا اداس ہے" یہ سنکر حیرت ہوگی کہ ۷ جنوری کو شاستری جی کے انتقال کی خبر آتی ہے اور ۸ جنوری کو یہ نظم بنارس کے روزنامہ آج میں شائع ہو جاتی ہے اس نظم کی مقبولیت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ تربینی میں شاستری جی کی استھی پرواہ کے ساتھ جہاں وید کے منتر پڑھے جا رہے تھے وہاں اس نظم کے چار شعر بھی ریڈیو سے پڑھے گئے۔ " لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم" کے مصداق زیر نظر پیش لفظ کچھ طویل ہوگیا ہے لیکن اس کے باوجود راقم الحروف کو اعتراف ہے کہ نذیر کی شخصیت اور شاعری پر اظہارِ خیال کے سلسلے میں اس مضمون کی حیثیت ایک خاکے کی سی ہے اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ کچھ منصف مزاج ناقد اس سے تشویق حاصل کریں اور نذیر کے فن کی صحیح ازرش متعین کرنے میں متعصب نکتہ چینوں اور رجعت پسند ادبی ٹھیکیداروں کی فنی اجارہ داری سے بلند ہو کر انصاف سے کام لیں۔

ہوسکتا ہے یہ جملہ کچھ لوگوں کو ناگوار گذرے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اردو کے اکثر نقادوں نے نذیر سے انصاف

کرنے میں بخل سے کام لیا ہے انکی ایسی منظومات جو انکی زبان سے نکلتے ہی ہندوستان بھر میں قبول عام کا درجہ پاگئیں جنکے گراموفون ریکارڈ تیار ہوئے جنھیں فلم کی نیوز ریل کے لئے انتخاب کیا گیا اور جنھیں عوام و خواص نے جی جان سے پسند کیا۔ صرف اس لئے معتوب و مردود قرار دی جاتی رہیں کہ ان میں ہندی کے الفاظ کے ساتھ ساتھ ایک ہندوستانی کے سیدھے سادھے جذبات ہیں کھری باتیں کہنے میں کوئی حرج نہیں انکی مہاتما گاندھی والی نظم کا یہی حال ہوا یہ نظم باپو کی شہادت پر ارتجالاً کہی گئی لیکن اپنے پرتاثیر لہجے اور مخلصانہ جذبات کی وجہ سے ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر چڑھ گئی سیلون ریڈیو سے گذشتہ سال تک اس نظم کا ریکارڈ بجایا گیا لیکن حیرت یہ ہے کہ اردو ادب کا ماہر جب اس موضوع پر کہی گئی نظموں کو یکجا کرنے بیٹھا تو اس نے نذیرؔ کی نظم کو محض اس لئے مسترد کردیا کہ اسکا لب ولہجہ اردو کے روایتی لب و لہجے سے مختلف تھا اسی طرح قومی شاعری کے موضوع پر دنیا بھر کے اشعار یکجا کرتے وقت "قومی شاعری کے سو سال" کے مؤلف نے نذیرؔ بنارسی کا نام تک نہیں لیا ظاہر

ہے کہ اس تغافل شعاری کا کوئی اور سبب نہیں ہو سکتا کہ
اردو والے ہزار تلخ تجربے کے باوجود آج بھی اپنی زبان
کے انجام سے بے خبر ہیں۔

شعبہ اردو و فارسی و عربی
بنارس ہندو یونیورسٹی
امرت لعل عشرت

نذیر بنارسی ایک نظر میں

علی جواد زیدی

نذیر بنارسی اس "معبد عام" کے رہنے والے ہیں جو مذہب کے
علاوہ قومی یکجہتی کا بھی مرکزی نقطہ ہے۔ ہندوستان کے گوشے
گوشے سے لوگ مختلف لباس پہنے، مختلف بولیاں بولتے اس مرکز
تک کھنچ کھنچ کر آتے ہیں اور اپنی عقیدت اور اپنی رنگا رنگی سے
ہماری قومی یکجہتی کے تصور میں نیا رنگ بھرتے رہتے ہیں۔ سنسکرت
اور ہندی زبانوں کا تو یہ گہوارہ رہا ہی ہے لیکن عربی، فارسی
اور اردو کا بھی یہ ایک مرکز رہا ہے۔ فارسی اور اردو کے کئی
انمول رتن اسی مبارک مٹی میں چھپے ہوئے ہیں۔ کچھ ایسے بھی
تھے جن کی خاک اپنے سنسکرت اور ہندی کے رفیقوں کے
ساتھ گنگا کی متبرک لہروں میں گھل مل کر، بحر ہند کے سینے میں
جا چھپی ہے۔ اگرچہ یہ ہندو دھرم کا بہت ہی پاکیزہ تیرتھ استھان
ہے، لیکن یہاں بدھ، جین، اور اسلام دھرموں کے ماننے
والوں نے پہلو بہ پہلو سچائی اور محبت کے گانے گائے ہیں"

قومی یکجہتی کے اس عظیم المرتبت معمار کبیر، نے بنارس ہی کی سرزمین سے تمام مذاہب کی بنیادی یگانگت کا پیغام دیا جو اس کی عظیم شاعری کے روپ میں بھی دلوں اور دماغوں میں گونج رہا ہے۔

فارسی اور اردو میں شیخ علی حزیں، پریم چند، آغا حشر کشمیری اور مولوی مہیش پرشاد نے اس عظیم و قدیم شہر کی عظمت کے جھنڈے دور دور تک گاڑ دیئے ہیں۔ آج بھی بسمورنانند، بیڈھب بنارسی، اور نذیر بنارسی اسی قومی یکجہتی کی زندہ نشانیاں ہیں۔ کبیر سے نذیر تک قومی ہم آہنگی کی روایتوں کا اٹوٹ سلسلہ ہے۔ کیا خیال، اور کیا زبان و بیان ہر پہلو سے بنارس میں ایک ثقافتی امتزاج تشکیل پاتا رہا ہے۔ ادھر سیاست کی دنیا میں دلی اور اودھ کے مظلوم و معزول شاہزادوں اور مہاراجہ چیت سنگھ نے بغاوت کی چنگاریوں کو ہوا دی تھی وہ بھی نذیر کے سینے تک پہونچی ہیں۔ آزادی اور آزادہ روی، وسیع المشربی اور ہم آہنگی بنارس کا بھی طرۂ امتیاز ہے اور نذیر بنارسی کا بھی۔ مہاراجہ بنارس اور شاہزادوں کے ذکر سے یہ سمجھ لینا غلط ہوگا کہ بنارس میں درباری روایتوں نے فروغ پایا تھا۔ بنارس کی شان درباری رکھ رکھاؤ سے نہیں

بلکہ محبت اور عقیدت، گیان اور تیاگ سے ہے۔ یہ ان گنت صدیوں سے ایک عظیم الشان علمی اور ادبی روایت کا حامل رہا ہے۔ یہاں کی خاک سے بڑے بڑے عالم، شاعر، صوفی، ادیب ابھرے اور آج بھی اس علمی گہوارہ کی رنگینی ماند نہیں پڑی ہے۔ لیکن سیاست کا مرکزی مقام نہ ہونے کی وجہ سے اس شہر کے شاعر اور ادیب اکثر گمنامی کی زندگیاں بسر کرتے رہے اور بیرونی دنیا نے انہیں تسلیم بھی کیا تو اس وقت جب چشم پوشی ان کے بس میں نہ رہ گئی میں اس بات کو بغیر جھجک کے تسلیم کروں گا کہ اسی طرح ہم نے بھی نذیرؔ بنارسی کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ مدتوں تک ان کی شہرت اتر پردیش کے مشرقی اضلاع میں محدود رہی اور باہر والے اپنی اپنی علاقائی دنیاؤں میں مست پڑے رہے اس میں نذیرؔ کی بے پروائی اور مشرقی اضلاع میں ادبی تنظیموں کی عدم موجودگی کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ دوسرے کو کیا کہوں خود مجھے بھی ان سے ملنے اور ان کا کلام سننے اور دیکھنے کا موقع بہت بعد میں ملا۔

ان سے پہلا تعارف راہی معصوم رضا نے کرایا ان کی نظموں غزلوں کے اشعار سنا کر مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا۔

پھر میں نے انہیں کشمیریں جشن کشمیر کے مشاعرے میں مدعو کیا اور
خود بھی ایک بار ان کے اشتیاق میں بنارس پہونچ گیا اور ان
سے ملنے کا بہانہ ہاتھ آیا ان سے مل کر میں ان کی شاعری اور اخلاق
دونوں ہی کا گرویدہ ہو گیا۔ نذیر سے گرویدگی کا سب سے
بڑا سبب ان کی قومی اور صحت مند وطن پرستی ہے آزادی
کے بعد وطن پرستی کا نعرہ لگانے والے بہت سے پیدا ہو
گئے ہیں لیکن جس وقت وطن پرستی جرم تھی جب صاف گوئی پر سامراج
کی ظالمانہ اور وحشیانہ مشینری حرکت میں آجاتی تھی۔ جب قدامت
پرستی اور فرقہ واریت وطن پرستی کی مخالفت دین وایمان بنائے
ہوئے تھی۔ اس وقت عواقب کی پرواہ کئے بغیر حب وطن۔ آزادی
اور انقلاب کے نعرے بلند کرنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے
تھے۔ نذیر بنارسی انہیں چند بے خوف، بے باک اور حق گو افراد
میں تھے۔ بدقسمتی سے ان کی نظمیں ابتدائی دور میں کم شائع ہوئیں۔
لیکن انہوں نے اپنی آتش نوائی سے کتنے ہی مجمعوں میں آگ لگائی
ہے سارے مشرقی اضلاع اتر پردیش میں انکی قومی نظموں کی
دھوم مچی ہوئی تھی۔

نذیر کی وطن پرستی صرف سیاسی نہیں ہے بلکہ انہیں وطن کی

ایک ایک چیز سے محبّت ہے وہ ہندوستان کی قدیم تاریخ و
ثقافت سے بھی دلی علاقہ رکھتے ہیں اور عہد وسطیٰ کے امتزاج
سے بھی وہ آج کی ترقیوں کے مدّاح ہیں اور آج کی خامیوں سے
بھی غافل نہیں ۔ وطن پرستی کا یہ ہمہ گیر جذبہ جب شاعری کے سانچے
میں ڈھلتا ہے تو خشک فلسفہ نہیں رہ جاتا یہ ایک جذبۂ عمل بھی بن
جاتا ہے ۔ چونکہ نذیر نے وطن پرستی کا یہ ہمہ گیر جذبہ اپنایا ہے
اس لیئے وہ اپنی نظموں کی صلاحیت ابلاغ کو قوی تر بنانا چاہتے
ہیں تاکہ بہ آسانی عوام تک پہونچ سکیں اور کروڑوں دلوں کی دکھتی
ہوئی رگیں چھیڑ سکیں ۔ اس منزل سے گذرنے کے لئے انہوں نے
عوامی شاعر کا منصب اختیار کیا ۔ جب میں نذیر کو عوامی شاعر کہتا
ہوں تو مرے سامنے عوامی شاعر کا وہ تصور نہیں ہوتا جو علی سردار
جعفری نے ترقی پسند ادب میں بیان کیا ہے عوامی شاعر وہ ہے جو عام
جنتا کے تمام جذبات وحسیات کو زبان دے دے جو عوامی مطالبات
اور محسوسات کا نقیب بن جائے اور اسی کے ساتھ ہی وہ صالح
سیاسی اور اقتصادی اقدار کو شعری پیرائے میں جنتا تک پہونچائے
سیاسی اور اقتصادی قدروں میں کون کون سی قدریں صالح ہیں
اس کا پیمانہ خود شاعر کے بھی معتقدات ہیں لیکن جب تک انکی

شاعری کی لپیٹ میں سماج کے غریب اور پسماندہ طبقے بھی رہتے ہیں اور پیش پیش رہتے ہیں انکو عوامی شاعر مانتا رہوں گا۔ ایسا عوامی شاعر ہلکی پھلکی زبان لکھنے پر مجبور رہے کیونکہ اس کے مخاطب بنیادی طور پر عوام ہیں اس معاملے میں نذیر بنارسی گویا نظیر اکبرآبادی ہیں۔ وہی روزمرہ، وہی عام بول چال، وہی مقامی رنگ، وہی عوام پسند عوامی جذبات اور محسوسات کی ترجمانی نذیرؔ بنارسی کے یہاں بھی ملتی ہے نظیرؔ اور نذیرؔ کے یہاں ایک بنیادی فرق بھی ہے نظیرؔ اکبرآبادی اتنی خارجی تفصیلات میں چلے جاتے ہیں کہ نظم کا داخلی اثر زائل ہو جاتا ہے نذیر بنارسی اپنی ایسی نظموں میں بھی جن میں داخلی اثرات کی بہ ظاہر گنجائش نہیں ہے۔ داخلیت سے کنارہ کشی نہیں کرتے۔

ان باتوں کے ساتھ ساتھ نذیرؔ کو زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے۔ وہ قیود وحدود فن سے واقف ہیں۔ قدرت بیان تقریباً بدیہہ گوئی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے وہ کسی بھی مضمون کو پانی کی طرح کسی بھی سطح پر بہا سکتے ہیں۔ نظموں کے انتخاب میں محتاط ہیں لیکن ہر لفظ کو سوچ سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ اردو اور فارسی کے ادب پر اچھی نظر ہے اس لئے معانی کے

اتار چڑھاؤ سے امکانات پیدا کر لیتے ہیں ۔ بہ ظاہر سادہ نگاری

آسان معلوم ہوتی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ یہ بہت مشکل فن ہے ۔

بڑی دیدہ ریزی اور جگر کاوی کے بعد یہ صلاحیت پیدا ہوتی

ہے ۔یہی وجہ ہے کہ سہل ممتنع کو اساتذۂ سخن نے عروج فن سے تعبیر

کیا ہے نذیر فن کے عروج کی اس منزل تک پہونچ چکے ہیں ۔

نذیر کا مشاہدہ وسیع اور مطالعہ عمیق ہے اسکے ساتھ انہیں

فطرت سے حساس دل بھی ملا ہے ۔ جہاں بھی جس شکل میں بھی

انھیں شاعرانہ حسن نظر آتا ہے ان کی جمالیاتی عقیدت ابل پڑتی

ہے وطن کے تو ذرّے ذرے سے انہیں محبّت ہے اسکے انسانوں

سے اس کے پرندوں سے اس کے کھیتوں اور سبزہ زاروں سے

اس کے پہاڑوں اور دریاؤں سے اور پھر اس کی ساری تاریخ

اور تہذیب سے جس نے اس سرزمین میں جنم لیا ہے انہیں امٹ

پریم ہے ۔ انہوں نے انسانوں کے ہر طبقے سے محبّت کی ہے اور

زندگی کی ہر مسرت اور دکھ میں پیار کرنا سیکھا ہے ۔جب کوئی

ٹھوکریں کھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے تو بڑھکر سہارا دیتے ہیں جب

کوئی مصیبت میں ہوتا ہے تو یہ مغموم ہی نہیں ہوتے بلکہ تن من دھن

کی مدد لے کر آگے بڑھتے ہیں امداد کے لئے قربانی کے لئے اور اگر

فرد سے بڑھ کر قوم کسی دکھ میں مبتلا ہو جائے تو ان کا دلی کرب طوفانِ عمل بن جاتا ہے یہ کمزوری کو للکارتے ہیں۔ مردہ دلوں میں روح پھونکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں غیرت دلاتے ہیں ان کے سوئے ہوئے جذبوں کو بیدار کرتے ہیں اور جو ناواقف ہیں ان کے سامنے مسئلے کی نزاکت اور اہمیت کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں وہ وطن دوستی پر جان چھڑکتے ہیں اور وطن دشمنی اور غداروں کے لئے شعلہ جوالہ اور برق وطوفان بن جاتے ہیں۔ ان کی وطن پروری نے مصلحتوں سے صلح نہیں کی ہے وہ کسی بات میں بھی سمجھوتہ نہیں کر سکتے ان کی انہیں طرحداریوں اور وضعداریوں نے ان کے اکثر ہمعصروں سے انہیں ممتاز کر دیا ہے۔

جواہر سے لال تک، انکی وطنی نظموں کا مجموعہ ہے اس میں خالص اور صالح وطنیت کا دل دھڑکتا ہے۔ ہم آزادی کی منزلوں میں جس جس نشیب فراز سے گذرے ہیں اس کی جھلک ہے۔ موضوعات کتنے ہی سیاسی اور واقعاتی کیوں نہ ہوں نذیرؔ کی فن کاری ان سب میں اس طرح شعریت اور جاذبیت بھر دیتی ہے کہ ہم ناطرندار

قاری نہیں رہ پاتے بلکہ ان واقعات و لمحات کی روح میں پیوست
ہو جاتے ہیں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ ان نظموں کا سب سے بڑا
فنی جوانہ ہے اور نذیر کی قوت شعری کا اعجاز۔ مجھے یقین ہے کہ
اربابِ ذوق و ادب اس مجموعہ سے پوری طرح لطف اندوز
ہوں گے۔

اپنی بات

جواہر سے لال تک میں میرے پہلے مجموعہ گنگ و جمن کی بھی
چھ نظمیں شامل ہیں۔ پیارا ہندوستان، جواہر پارے، وطن کا
پجاری، شردھا کے پھول، گوندھا ہے جو بوڑھے مالی نے وہ
ہار نہ ٹوٹے اے ساتھی اور دیش سنگار، پیارا ہندوستان
میں پانچ بند کا اضافہ کیا گیا ہے اور شردھا کے پھول میں آٹھ بند کا۔

جواہر سے لال تک میں جتنی نظمیں ہیں سب میرے جذبۂ
حب الوطنی کی مختلف صورتیں ہیں جن کی زیارت کے لئے نظر
سے زیادہ بصیرت اور مادر وطن سے عقیدت درکار ہے میرے
کلام کو صرف وطن کے باشندے کی حیثیت سے نہیں مادر وطن کے
لائق فرزند کی نظر سے دیکھنا ہوگا جدھر جدھر سے دیس کی سوندھی
مٹی کی خوشبو آئی ہے ادھر ادھر پہونچنے کی کوشش کی ہے۔

میں اس دوڑ دھوپ میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں اس
کا اندازہ ارباب شعر و ادب ہی لگا سکتے ہیں لیکن وہ ارباب
شعر و ادب جنھوں نے ماں کی کوکھ سے جنم لینے کے بعد ماں کی کچھ

خدمتیں بھی کی ہوں۔ میں انصاف کی بھیک مانگنے نہیں آیا ہوں
صاحبان نقد و نظر کو انصاف کے خون سے سبکدوش کرنے آیا ہوں۔

اپنی بات ختم کرنے سے پہلے بھائی گمبھیر کشور ماتھر دہلوی اور
پریم چند دعا کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنکے پرخلوص اصرار کے سبب میرا
مجموعۂ کلام آپ تک پہونچ سکا۔

نذیرؔ بنارسی

ڈوبا ہوا لہو میں ہے ماضی سے حال تک

کام آئے کتنے لال جو آہر سے لال تک

پیارا ہندوستان

جس کا ہے سب کو گیان یہی ہے
سارے جہاں کی جان یہی ہے
جس سے ہے اپنی آن یہی ہے

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

ہنستا پربت ہنس مکھ جھرنا
پاؤں پسارے گنگا جمنا
گودی کھولے دھرتی ماتا

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

ایک تو اونچا سب سے ہمالہ
اس پر میرے دیش کا جھنڈا
دھرتی پر آکاش کا دھوکا

میرا نواس استھان یہی ہے

پیارا ہندوستان یہی ہے

پربت کتنا جم کے اڑے ہیں
کیسے کیسے بھیم کھڑے ہیں
جھرنے گر گر پاؤں پڑے ہیں

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

پربت اونچی چوٹی والے
بانکے ترچھے نوک نکالے
ارجن جیسے بان سنبھالے

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

آرتی اس کی چاند اتارے
اوشا اس کی مانگ سنوارے
سورج اس پر سب کچھ وارے

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

حسن کے آب وتاب کا عالم

یہ ہے حسین پنجاب کا عالم
جیسے سنہرے خواب کا عالم

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

دھرتی کی پوشاک نئی ہے
کھیتی جیسے سبز پری ہے
محنت اپنے بل پہ کھڑی ہے

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

پڑتی بوندیں بجتی پائل !!!
دھرتی جل تھل پنچھی گھائل !!
بولے پپیہا کوکے کوئل !

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

دیش کا اک اک نین کٹورا !
سارے جہاں پر ڈالے ڈورا
اپنا اجنتا اپنا الورا

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

تاج محل بے مثل حسینہ
اس میں ملا کتنوں کا پسینہ
جب کہیں چمکا ہے یہ نگینہ

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

عہد وفا کی لاج تو دیکھو ٹو
شاہ کے دل پر راج تو دیکھو
پریم کے سر پر تاج تو دیکھو

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

بھارت کی تقدیر کو دیکھو
جنّت کی تصویر کو دیکھو
آؤ ذرا کشمیر کو دیکھو ٹو

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

ایک اسی کشمیر کا درشن
کتنوں کے دکھ درد کا درپن
آس نہائے برسے جیون

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

ایک طرف بنگال کا جادو
سر سے کمر تک گیسو ہی گیسو
پھیلی ہوئی ٹیگور کی خوشبو

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

کالی بلائیں سر پہ بسا لے
شام اودھ کی ڈیرا ڈالے
ایسے میں کون اپنے کو سنبھالے

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

لہریں سینہ چیرے چیرے
جلدی جلدی دھیرے دھیرے

کھیلیں کودیں تیرے تیرے

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

حسن کی تسکیں عشق کی دھاڑس
واہ رے اپنی صبح بنارس
گھاٹ کے پتھر جیسے پارس

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

جھومتی گائیں ناچتے پنچھی ہو
ساری دنیا رقص و مستی ہو
کرشن کی بنسی ہائے رے بنسی

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے۔

جال بچھا کے جال سنبھالے
کمسن سڑکیں مانگ نکالے
بال بکھیرے ندی نالے

میرا نواس استھان یہی ہے

پیارا ہندوستان یہی ہے

رات کی تاری ڈوب گئی ہے
صبح کی دیوی جاگ اٹھی ہے
پنگھٹ پر اک بھیڑ لگی ہے

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

سُندر ناری نار سنبھالے
گھونگھٹ کاڑھے اور ہٹالے
چلتے پھرتے پریم شوالے

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

پورا بہار اک زندہ حقیقت
آشرم اس کا ایک صداقت
اس سے گیا میں بدھ کی سمت

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

پاٹلی پتر اک ایسا نگینہ

جس سے چمکا علم کا سینہ
ملکوں ملکوں جس کا دفینہ ہو

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

آس میں ہر وشواس ملے گا
دور ملے گا پاس ملے گا
یگ یگ پر اتہاس ملے گا

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

مندر مسجد اور شوالے ہو
مانوتا کا بھار سنبھالے ہو
کتنے یگوں کو دیکھے بھالے ہو

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

پھولوں کے مکھڑے چوم رہے ہیں
کالے بھونرے گھوم رہے ہیں
امن کے بادل جھوم رہے ہیں

میرا نواس استھان یہی ہے
پیارا ہندوستان یہی ہے

وطن کا پجاری

ذرا دم تو لے لے طوفاں کہ تھکا ہے راستے کا

مرے دل کو توڑنے میں ترا دم نہ ٹوٹ جائے

ہے قدم قدم پہ خطرہ مگر آگے بڑھ رہا ہوں

اُسے موت کیسے روکے جسے زندگی بلائے

وہی سربلند محفل جسے آئے سرفروشی تو

وہی زندگی کا مالک جو اجل پہ مسکرائے

نہ جناب شیخ کا ہے نہ جناب برہمن کا

ہے وطن تو صرف اس کا جو وطن کے کام آئے

مرا من ہے شہر گوکل کی طرح سے صاف ستھرا

مری سانس ایسی جیسے کوئی بانسری بجائے

مری ایک آنکھ گنگا مری ایک آنکھ جمنا

مرا دل خود ایک سنگم جسے پوجنا ہو آئے

چین کے حملے کی خبر سنکر

جس کی لہروں میں نہ ہو آگ وہ پانی ہی نہیں
ہو جو طوفان سے خالی وہ روانی ہی نہیں
بھول جائے جسے دُنیا وہ کہانی ہی نہیں
جو نہ کام آئے وطن کے وہ جوانی ہی نہیں

خون ہندی ہے تو گنگا کی روانی بھی رہے
جیسی تلوار رہے تلوار کا پانی بھی رہے گو

منالیں پہلے ہولیاں دیوالی پھر منائینگے

ہنسیں تو اسطرح ہنسیں کلی کلی نثار ہو
جیئیں تو اس طرح جیئیں کہ ہر خوشی نثار ہو
مریں تو اس طرح مریں کہ زندگی نثار ہو

پوتر سب کی بھاونا خیال سب کے نیک ہیں
زمانہ سُن لے غور سے کہ آج ہم سب ایک ہیں

یہ اسلحوں کی گھن گرج یہ گرتی پڑتی بجلیاں
ہماری حدمیں دوسروں کے ٹینکوں کی گرمیاں
یہ گولیوں کی بارشیں دھوئیں کی گھور بدلیاں

لباس بدلیں ہم بھی اب چمن کی رت بدل گئی
کہ چینیوں کی دوستی بلا کی چال چل گئی

جواں نہ ہوں جو حوصلے جوان پھر جوان کیا ہو
دکھائی دے نہ رن میں جواب ایسی آن بان کیا
ہزار جان سے نثار اگر نہ ہو تو جان کیا

اسی کی زندگی ہے اب لہو میں جس کے جوش ہو
وہ سر کریگا معرکہ جو آج سرفروش ہے

بڑھو الٹ کے آستیں اجل کی فکر چھوڑ دو
اجل ہے کیا اجل کی بھی کلائیاں مروڑ دو
ہر ایک پرغرور کا سرِ غرور توڑ دو

چلو محاذ جنگ پر نہ ہاں ٹہل کے سانس لیں
ہوا اگر بدل گئی ہوا بدل کے سانس لیں

اک انقلاب آگیا ترنگ میں امنگ میں
کسی میں کیفیت نہیں نہ راگ میں نہ رنگ میں
اٹھا کے ہاتھ زندگی بلا رہی ہے جنگ میں

وطن کے سینکو بڑھو تم آج اس لباس میں
اجل بھی تم کو دیکھ کر نہ رہ سکے حواس میں

ہمارے سنتریوں کا دل زمین پہ پاش پاش ہو
نرالی بستیاں بسیں انوکھی بود و باش ہو
قدم قدم پہ خون ہو قدم قدم پہ لاش ہو

جو چاہتے ہو زندگی اجل کا درد سر بنو!!
مرو تو اس طرح مرو کہ مرتے ہی امر بنو!

لہو سے بھاگ کھیل کر گھروں کو جگمگائیں گے
شکست دیکھ دشمنوں کو قہقہے جلائیں گے
منالیں پہلے ہولیاں دیوالی پھر منائیں گے

صفوں کو چیر چیر کر مصیبتوں کو ریل دو
جدھر سے جنگ آئی ہے اسی طرف ڈھکیل دو

اس وقت غزل کی بات نہ کر

سنتان ہنسے تو کیسے ہنسے
اس وقت ہے ماتا خطرے میں
سنسار کے پربت کا راجہ
ہے اپنا ہمالہ خطرے میں
ہے سامنا کتنے خطروں کا
ہے دیش کی سیما خطرے میں

اے دوست وطن سے گھات نہ کر
اس وقت غزل کی بات نہ کر

مہندی ہوئی پیلی کتنوں کی
سیندور لٹے ہیں کتنوں کے
ہیں چوڑیاں ٹھنڈی کتنوں کی
ارمان جلے ہیں کتنوں کے
اس چین کے ظالم ہاتھوں سے
سنسار پھنکے ہیں کتنوں کے

مُسکان کی تو برسات نہ کر
اس وقت غزل کی بات نہ کر

مت کاٹ کپٹ کر ماتا سے
دینا ہے جو کچھ ایمان سے دے
یہ پرشن وطن کی لاج کا ہے
جی کھول کے دے جی جان سے دے
گورو کی حفاظت کر اپنے !!
دے دھن بھی تو پیارے آن سے دے

تو دان نہ دے خیرات نہ کر
اس وقت غزل کی بات نہ کر

جس گھر میں برستا تھا جیون
چھائی ہے وہاں پہ ویرانی
بیوہ ہوئیں کتنی سندریاں
مارے گئے کتنے سینانی
کیوں جوش نہیں آتا تجھ کو
ہے خون رگوں میں یا پانی

آزادی کے دن کو رات نہ کر
اس وقت غزل کی بات نہ کر

سنتے ہیں مصیبت آئے گی
آئے گی تو دیکھا جائے گا
جس نے ہمیں کائر سمجھا ہے
اس دیش سے سمجھا جائے گا
ہر شوخ ادا سے کھیل چکے
اب خون سے کھیلا جائیگا

ایسے میں ہمیں بے ہات نہ کر
اس وقت غزل کی بات نہ کر

اب بینڈ پہ گایا جائے گا ہو ہو
یہ ساز نہ چھیڑے جائینگے!
لے رکھدے ٹھکانے سے یہ غزل
مرنے سے بچے تو گائیں گے
ہے ساتھ ہمارے سچائی
ہم پاسے کے وجے مسکائیں گے

جیتی ہوئی بازی مات نہ کر
اس وقت غزل کی بات نہ کر

شردھانجلی

سورگیہ پنڈت جواہر لعل نہرو پر

شانتی سے دلا کے آزادی تو
رہبر انقلاب ڈوب گیا

کیوں نہ دنیا میں آج اندھیرا ہو
امن کا آفتاب ڈوب گیا

✻

سب کی آنکھوں سے اشک جاری ہیں
اس طرح سے گذر گیا ہے کوئی

ایسا محسوس ہو رہا ہے آج
جیسے ہر گھر میں مر گیا ہے کوئی

✻

سرنگوں ہے جہان کا پرچم
بال بکھرے ہیں دیش ماتا کے

ہے سمادھی پہ یگ کا نر ماتا
چڑھتے جاتے ہیں پھول شردھا کے

✻

غم سے خالی کوئی بھی ملک نہیں
مرنے والے کا ہر جگہ غم ہے

وہ برہمن اٹھا ہے دنیا سے
جس کا سارے عرب میں ماتم ہے

✻

آ کے آنسو بہا رہی ہے گھٹا
سوگ میں آسمان سسکتا ہے

زلزلہ ہے کہ لال کے غم میں
دھرتی ماتا کا دل دھڑکتا ہے

قافلے جاں نثار غنچوں کے — اس طرف اس طرف بھٹکتے ہیں
کتنی معصومیت کو چوٹ لگی — کتنی کلیوں کے دل دھڑکتے ہیں

✻

اب جو میلے لگیں گے بچوں کے — کہہ کے چاچا کسے پکاریں گے
کون اب دیگا داد معصومی — رو پڑے گا جسے پکاریں گے

✻

آج ہر ملک میں ہے آپکا غم — خط پہ خط آ رہے ہیں آپکے نام
موت کام اپنا کر چکی ہے مگر — زندگی کر رہی ہے جھک کے سلام

✻

صرف آب و ہوا بدلنے کو تو — زندگی کا سماں بدل ڈالا
اس کی خاطر مکاں بدلنا تھا — آپ نے تو جہاں بدل ڈالا

✻

زلزلے سے بھی آنکھ کھل نہ سکی — اُٹھ کے طوفان بھی اُٹھا نہ سکا
دیش کے غم میں جاگنے والا — ایسا سویا کوئی جگا نہ سکا!

✻

کچھ دنوں سے عجیب عالم تھا — آپ رسماً بھی مسکراتے تھے
دوسروں کی ہنسی نہ زخمی ہو — اس لئے اپنا غم چھپاتے تھے

ہر ہنسی چور چور تھی غم سے
ہر تبسم تھا چوٹ کھائے ہوئے
آپ کے اک گلاب کی ٹہنی
کتنے زخموں کو تھی چھپائے ہوئے

سُن نہ سکتے تھے ظلم کی آواز تو
ایسا دل ایسا درد رکھتے تھے
اک تمہیں تھے جو اپنے سینے میں
ساری دنیا کا درد رکھتے تھے

دل میں جو تھی وہی زباں پر تھی
جیسا باطن تھا ویسا ظاہر بھی
بعد مرنے کے بھی تمہیں تم ہو
دیش کے لعل بھی جواہر بھی

اشک آنکھوں میں بھر کے آیا ہوں
میں بھی شردھا کے پھول لایا ہوں

بچاؤ وطن کا شیوالہ بچاؤ

کلاؤں کا مندر ادب کا شیوالا　　وطن کا پرانا نگہباں ہمالا
یہ بھارت کا مستک ہے بھارت کا تلک　　کسی کے جھکائے نہیں جھکنے والا

ہمالہ کی چٹان بن کر اڑینگے
ہم ایک ایک چپہ کی خاطر لڑینگے

نہیں ہم کو اغیار کی اب ضرورت　　ہمارا چمن ہم کریں گے حفاظت
ہے چینی لٹیروں کو آنیکا کیا حق　　فرشتہ بھی آئے تو لیکر اجازت

فلک یہ نہیں سرزمین چمن ہے
یہ جنت نہیں ہے ہمارا وطن ہے

بلا آئی ہے طوفان کناروں سے نکلو　　گپھاؤں سے منڈپ سے غاروں سے نکلو
ہے خطرے میں شیرو تمہاری ترائی　　تسکارا آگیا ہے کچھاروں سے نکلو

گھٹا ظلم کی دیش پر چھا گئی ہے
تمہارے گرجنے کی رت آگئی ہے

پھرے دشمنوں کے ارادوں پہ پانی　　چلو ہند ساگر سے لیکر روانی ہو
نم آج اسقدر دیدۂ سرخی لہو کی　　کہ گھبرا کے خود رُخ بدل دے کہانی

بڑھو سنساتے ہوئے تیر بن کر
چلو آج بھارت کی شمشیر بن کر

یہ حملہ ہے ہم سب کی عزت پہ حملہ   یہ حملہ ہے پرکھوں کی جرأت پہ حملہ
نہ سیما تلک اسکو سمیت سمجھنا   یہ حملہ ہے اب پورے بھارت پہ حملہ

مگر ہمکو حملے کا کچھ غم نہیں ہے
ہمارے یہاں بھی لہو کم نہیں ہے

ہمیں رعب دکھلانے آئے ہیں ظالم   چٹانوں سے ٹکرانے آئے ہیں ظالم
قرینے سے انکو ٹھکانے لگا دو   کہ اب کے ٹھکانے سے آئے ہیں ظالم

اکٹھا کرو کاٹ کر بوٹی بوٹی!
بنا دو نئی اک ہمالہ کی چوٹی

ستمگر کی لاشوں پہ لاشیں بچھا دو   نئی ایک سیما کی دیوار اٹھا دو
اٹھو آج گنگا کی عصمت کی خاطر   لہو کی نئی ایک گنگا بہا دو!

نہ کام آئے ماں کے تو سنتان کیسی
اگر آن جائے تو پھر جان کیسی

تمہیں ہو تو ہو ہمکو دھوکا نہیں ہے   یہ سیما پہ کالی ہیں سیتا نہیں ہے
یہاں لاکھوں منڈوں کی مالا چڑھیگی   یہ سرحد ہے لچھمن کی ریکھا نہیں ہے

اگر ایک حصہ بھی مسمار ہو گا تو

تو اب لاکھوں لاشوں کا انبار ہوگا

ہے شاعر کی پاکیزہ دنیا پہ حملہ　　ہے کویوں کی ہر اونچی اُپما پہ حملہ

ہے خطرے میں پاکیزگی کلپنا کی　　یہ حملہ ہے لہراتی گنگا پہ حملہ

بچے جس طرح بھی ہمالہ بچاؤ

بچاؤ وطن کا شیوالہ بچاؤ

ایسی طرح دیپ جلا

اے کلاکار دکھا آج نئی کوئی کلا
اب قلم روک قلم روک کے کچھ اور چلا

آنے پائے نہ کوئی دیش میں اب تازہ بلا
تو بڑھے ایسی طرح تھام لے شترو کا گلا

خون دشمن کا جلے ایسی طرح دیپ جلا

جگمگائے تیرا گھر تیری مشقت ہو سپھل
لے نئے پریم بھرے دل کی بلا تاج محل

لکشمی جھوم اٹھیں کھل اٹھے ہر دیس کا کنول
ہو ترا اور بھلا اور بھلا اور بھلا

خون دشمن کا جلے ایسی طرح دیپ جلا

جسکو دشواس نہ ہو جا کے وہاں دیکھ آئے
جیسے تھے آج بھی ہیں ظلم کے بادل چھائے

اب بھی سرحد پہ ہیں شیطان کے ظالم سائے
آج کی رات بھی سیما کا اندھیرا نہ ٹلا

خون دشمن کا جلے ایسی طرح دیپ جلا

یاد کرتی ہے پرم ویر ابادھی پیارے
بات میں رات گذر جائے نہ آدھی پیارے

اس میں ہو گی شہیدوں کی سمادھی پیارے
مجھکو بھی دیپ جلانا ہے ابھی میں تو چلا

خون دشمن کا جلے ایسی طرح دیپ جلا

دل آج دل سے قدم سے قدم ملا کے چلو

جوانو سبزے کی مانند لہلہا کے چلو
زمانہ یاد کرے ایسا گل کھلا کے چلو

وفا کی مہر زمیں پر لگا لگا کے چلو!

دل آج دل سے قدم سے قدم ملا کے چلو

نہ کوئی ہندو نہ مسلم نہ سکھ نہ عیسائی ہو
سب اپنے دیش کے ناتے سے ہیں سگے بھائی

اندھیرے راہ میں ہیں دل کو جگمگا کے چلو

دل آج دل سے قدم سے قدم ملا کے چلو

لہو میں گنگ و جمن دونوں کی روانی ہے
تمہارا دل نہیں بھارت کی راجدھانی ہے

ہمالیہ کی طرح اپنا سر اٹھا کے چلو!

دل آج دل سے قدم قدم سے ملا کے چلو!

ابھی تو تم کو بدلنے ہیں وقت کے دھارے
ابھی تو بھول بنانے ہیں کتنے انگارے

نظر نظر میں ہے منزل نظر جما کے چلو

دل آج دل سے قدم سے قدم ملا کے چلو

چمن کی شان ہو اے بھارتی کسانو تم

وطن کی آن ہو اے فوج کے جوانو تم

ستمگروں پہ ذرا قہقہہ لگا کے چلو

دل آج دل سے قدم سے قدم ملا کے چلو

ہے اب تو جنگ بھی اک رنگ راگ کا موسم

ہو سے کھیلیں گے آنے دو پھاگ کا موسم

ملے قضا تو قضا پہ بھی مسکرا کے چلو

دل آج دل سے قدم سے قدم ملا کے چلو

نئی نئی ہے مصیبت نئے زمانے بھی

مشین تیز چلے گی کل بھی کارخانے بھی

چلو ہر ایک کی رفتار کو بڑھا کے چلو

دل آج دل سے قدم سے قدم ملا کے چلو

توانائی

اپنی مظلومی کی طاقت اب دکھا سکتے ہیں ہم
چینیوں کے ظلم کی دھجی اڑا سکتے ہیں ہم

دوستی میں گھات کرنے والے تیرا شکریہ
دوست اب سارے زمانے کو بنا سکتے ہیں ہم

ساتھ ہے قدرت ہمارے اور ہم قدرت کے ساتھ
حد سے جو آگے بڑھے پیچھے ہٹا سکتے ہیں ہم

مشکلیں آیا کریں مشکل سے گھبراتا ہے کون
موت بھی آئے تو سینے سے لگا سکتے ہیں ہم

اے دغاباز و فقط اتم کو ڈبونے کے لئے
خون کی ندی تو کیا دریا بہا سکتے ہیں ہم

دوسرے دریاؤں کے مانجھی کو کیوں آوازیں
خون میں جب ڈوب کر بیڑا بچا سکتے ہیں ہم

لڑنے نکلے ہیں وطن کی آبرو کے واسطے ہم
سر جھکا سکتے نہیں ہاں سر کٹا سکتے ہیں ہم

ہم نے جب پھینکے ہیں وہ طوق غلامی لائیے

آج اس لوہے سے سنگینیں بنا سکتے ہیں ہم

سانس لینے کی نہ مہلت مل سکے گی موت کو

آبرو پر اتنی قربانی چڑھا سکتے ہیں ہم

گولیوں کی سنسناہٹ ہو کہ توپوں کی گرج

گیت آزادی کا سب سازوں پہ گا سکتے ہیں ہم

ٹھوکریں کیوں کھانے جائیں کائرانہ زندگی

گولیاں ہنس ہنس کے جب سینے پہ کھا سکتے ہیں ہم

اپنے آنسو پونچھ لے اے مادرِ ہندوستاں

اس گئی حالت میں بھی سب کچھ لٹا سکتے ہیں ہم

اپنا مذہب ہے محبت اپنا مسلک اتحاد

چینیوں کو چھوڑ کر دنیا پہ چھا سکتے ہیں ہم

پھر کفن کی کیا ضرورت ہم کو اے خاکِ وطن

جب تری چادر سے اپنے کو چھپا سکتے ہیں ہم

وہ کوئی بربت ہو یا پھانسی کا تختہ اے نذیر

نظم اپنی ہر بلندی سے سنا سکتے ہیں ہم

٭

جواہر پارے

وہ جواہر عمر جس کی اب چھیاسٹھ سال ہے
ہے بلند اقبال اور اتنا بلند اقبال ہے
ساری بہنیں مانتی ہیں اس کو بھائی کی طرح
ساری مائیں سمجھتی ہیں کہ میرا لال ہے

شانتی مہرہ ہے اس کا، امن اس کی چال ہے
ہے بساطِ جنگ شرمندہ وہ ایسی ڈھال ہے
ہے وہ بھارت ہی کا لیکن، صرف بھارت کا نہیں
لال موتی لال کا، اب ایشیا کا لال ہے

عام ہے اُن کی محبت خاص کر بچپن کے ساتھ
جیسے مَن ہے ساتھ تن کے اور تن ہے مَن کے ساتھ
ننھے بچوں میں جو پہنچے خود بھی بچے ہو گئے
اتنا بھولے پن کا آدر اتنے بھولے پن کے ساتھ

تیرا عالم کیا کہ تنہا خود ہی اِک عالم ہے تو
شانتی اور امن کا ہنستا ہوا پرچم ہے تو

اے مری گنگ و جمن کی گود کے پالے سپوت
آج دنیا کے بڑے دریاؤں کا سنگم ہے تو

شاخِ گل سے کم نہیں ہے تازگی تحریر کی
ہائے رے تصویر جیتی جاگتی تصویر کی

تیری رگ رگ میں ہے گنگا اور جمنا موجزن
تیرے چہرے پر بہاریں وادیٔ کشمیر کی

کون بن کر آگیا تاب و توانِ ایشیا ! ! !
کس سے لیتا ہے جوانی ہر جوانِ ایشیا

ہند والو ہند کی مٹی کی عظمت دیکھ لو
ہند کی مٹی کا اک پتلا ہے جانِ ایشیا

تو بنے گا ایک دن روحِ روانِ ایشیا ! ! !
بڑھتی ہے تیرے قدم کے ساتھ شانِ ایشیا !

ہو گی کھیتوں پر جواہر ریز سورج کی کرن ! !
جگمگائے گا تجھی سے آسمانِ ایشیا

پردہ پردہ ساز ہے جس کا وہ ایسا ساز ہے
اسکی ہر آواز پورے ملک کی آواز ہے

جس کو جتنا ناز ہے اپنے وطن پر اے نذیر
اس کو اتنا ہی جواہر لال پر بھی ناز ہے

دُور جانا ہے سونے سے پہلے

یہ نظم ایک امریکن شاعر کی اس نظم کے آخری بند کا ترجمہ ہے

جسے آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے انتقال سے مہینوں پہلے اپنی مخصوص

میز پر جگہ دے رکھی تھی۔ ایک بڑے انسان کی میز پر وہی چیز جگہ

لیتی ہے جو دل میں گھر کر لیتی ہے۔۔

خوبصورت ہے پیارا ہے جنگل — چاہتی ہے لسے زندگی بھی ہو

جتنی دلکش ہے اس کی سیاہی — اتنی ہی اس کی پلکیں گھنی بھی

لیکن ایسے میں بھی اپنے وعدے — جیسے پورے ہوں کرنے ہیں پورے

فرض آواز دیتا ہے مجھکو — کام کچھ رہ گئے ہیں ادھورے

جاگ لوں ہوش کھونے سے پہلے

دور جانا ہے سونے سے پہلے

دور جانا ہے سونے سے پہلے

مانجھی جو مر گیا ہے تو دریا اداس ہے

گنگا ہے آج سوگ میں جمنا اداس ہے

تربینی رو رہی ہے ترنگا اداس ہے

دنیا کے تار ٹوٹے ہیں دنیا اداس ہے

ماتا کے بال بکھرے ہیں چہرا اداس ہے

اے ماں تجھی کو لال بہادر کا غم نہیں

تیرے اداس ہونے سے دنیا اداس ہے

امن و اماں پہ ہو گیا قرباں وطن کا لال

چپ چاپ شانتی ہے اہنسا اداس ہے

ہندوستاں کی ساکھ بنارس کی آبرو

ایسا سپوت اٹھا ہے کہ گنگا اداس ہے

ساحل کی طرح آج ہیں لہریں سکوت میں

مانجھی جو مر گیا ہے تو دریا اداس ہے

جیسے کسی غریب کا چہرہ اداس ہو،

آج اس طرح سے دیش ہمارا اداس ہے

ہیں سوگ میں زمانے کے پرچم جھکے ہوئے
میں ہی نہیں اداس زمانہ اداس ہے

کس کو سنانے جاؤں نذیر اپنے دل کا حال
میری طرح ہر ایک کا چہرہ اداس ہے

پھرتا ہے دل میں لاش تمنا لئے ہوئے
ہر بھارتی ہے آج جنازہ لئے ہوئے

گرنے سے پہلے انکو خدا نے اٹھا لیا

اکام اتنا بڑھ گیا کہ ہوئی زندگی حرام
بیٹے کو اٹھ کے ماں نے گلے سے لگا لیا
گرنے دیا نظر سے نہ بھارت کے لال کو
گرنے سے پہلے ان کو خدا نے اٹھا لیا
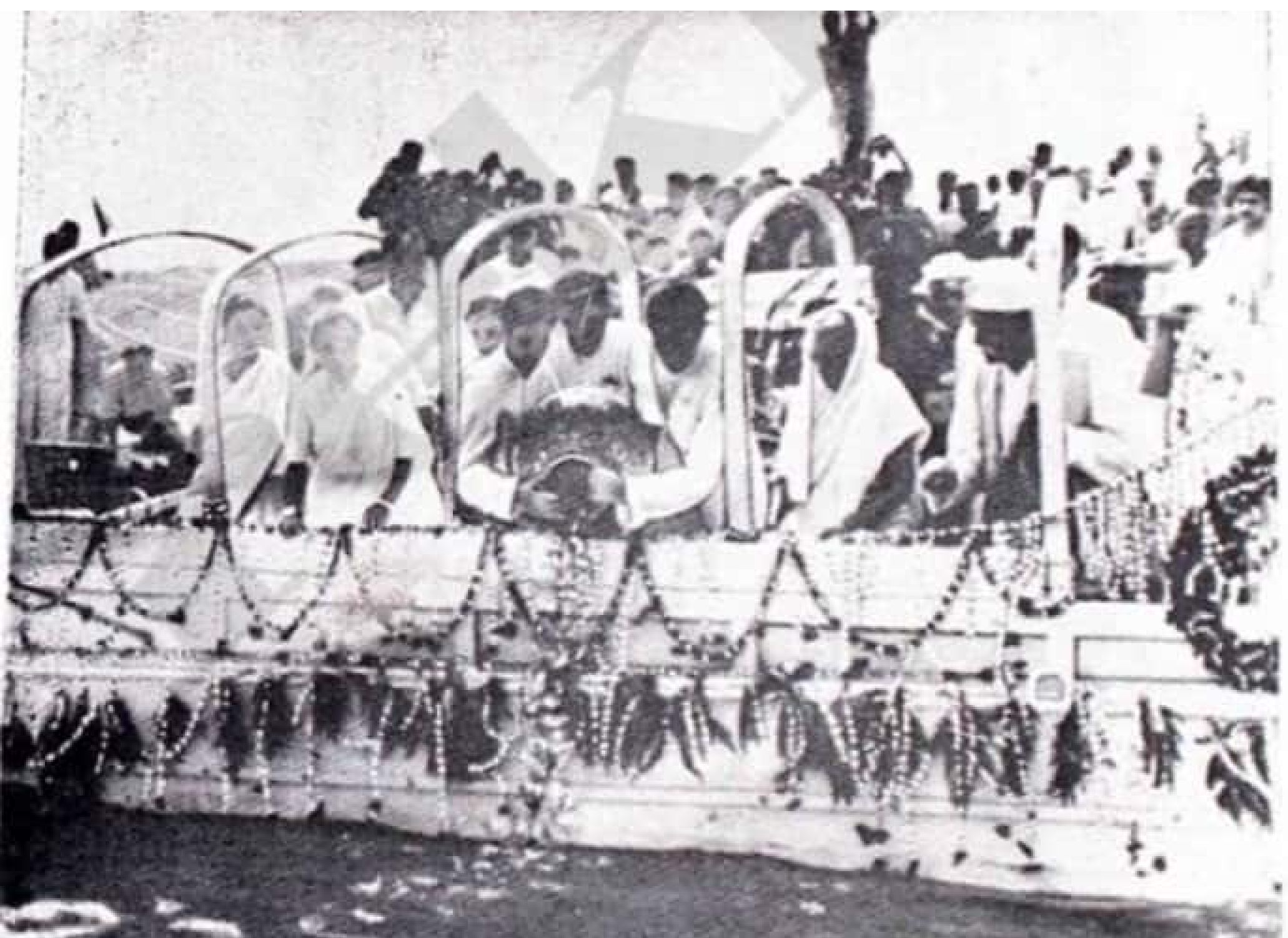
ترِبینی سے گنگا تک

راج دھانی سے وزیر اعظم ہند شری جواہر لال جی کی راکھ الٰہ آباد پہونچ چکی ہے دس لاکھ جنتا کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا جس وقت ترِبینی کی گود کے پالے ہوئے سپوت کی راکھ ترِبینی کی آنکھوں کے سامنے لے کر پہنچتا ہے سنگم کی لہریں سر پیٹنے لگتی ہیں ترِبینی چیخ اٹھتی ہے اور جنتا سے سوال کرتی ہے۔

ہم سے لیا تھا ہنس مُکھ بالک جیسے ہنستا پھول
اتنے دنوں پر واپس لائے وہ بھی چِتا کی دھول

ترِبینی کا سوگ میں ڈوبا ہوا سوال سُن کر جنتا کا جی بیٹھنے لگتا ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں خاموشی کچھ سوچ کر آنسوؤں کے تارے جواب دیتی ہے۔

ہم سے وصیّت پھول نے کی تھی اسلئے لائے دھول
مانگ رہے ہیں پھر بھی جھا ہم مان کے : اپنی بھول

ترِبینی چھما کرتی ہے اور گود پھیلا کر راکھ کو بچے کی طرح اپنی گود میں لے لیتی ہے لہریں لوریاں سناتی ہیں۔ اور ماں موجوں کے نرم نرم ہاتھوں سے تھپکیاں دیتی ہوئی بجھی ہوئی راکھ کی طرف اشارہ کرتی ہوئی کہتی ہے

جاؤ یہاں سے کاشی نگری لے کے پتا کی دھول
گود میں لینگی گنگا میّا دھول بنے گی پھول ٹو

*

راکھ بچا کر کاشی لائے کہنے کے انوکول ٹو
آنکھ میں سب نے آنسو بھر کر گود میں دیدی دھول

*

بھاگی رتی نے بھاگ جگایا بنگی راکھی پھول
پھول بھی ایسا پھول کہ جسکو چھو نہیں سکتے شول

*

لے کے جواہر لال کو ماتا جب ہوگئیں مالا مال ٹو
دیدیا ہمکو ان کے بدلے ایک بہادر لال

راکھ کی ساکھ

وہاں وہاں یہ گئی راکھ مرنے والے کی :
جہاں جہاں سے تھی مرحوم کی شناسائی ہے
رہے وہ زندہ تو چھاکے رہے زمانے پر
مٹے تو خاک بھی سارے جہاں کے کام آئی

※

بنے گی جل کے کسانوں کے ہونٹ کی مسکان
یہ راکھ کھیت کے پودوں میں لہلہائے گی
یہ راکھ لائیگی برمالیوں کے دل کی مراد
ہنسے گی پھولوں میں کلیوں میں مسکرائیگی

※

یہ راکھ ہل کے سوالی کی بوند بوند کے ساتھ
رہے گی سیپ کے سینوں میں آرزو بن کر
اسے پھر آنکھ میں ہر جوہری جگہ دے گا
یہ جگمگائے گی موتی کی آبرو بنکر ! ! !

سمندروں میں یہ لہروں کے جل ترنگوں پر
ہمیشہ امن و محبت کے گیت گائے گی جو
کرے گی جنگ کے شعلوں کو پھول میں تبدیل
یہ راکھ خاک میں مل کر بھی گل کھلائے گی

✲

جواہرات جواہر کی راکھ سے چن کر تو
بڑے قرینے سے کاغذ پہ لے کے آیا ہوں
میں اپنے شعروں کے نازک ترین دامن میں
وطن کے بکھرے خزانے سمیٹ لایا ہوں
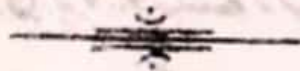
پھول سے جن کو پیار بہت تھا اٹھ گیا انکا پھول

پھول کلی ہے انبار نظر ہیں دل میں غم کے شول،

موت نے کر کے ختم کہانی اور بھی کر دی طول

دیش کے کونے کونے پہنچی ان کی چتا کی دھول

پھول سے جن کو پیار بہت تھا اٹھ گیا انکا پھول

انکی طرح سنسار میں پھیلی اڑ کر ان کی راکھ

ہو گئی اونچی سارے جگت میں اور وطن کی ساکھ

ان کے کہے پر ہم نہ چلے تو ہو گی بھیانک بھول

پھول سے جن کو پیار بہت تھا اٹھ گیا انکا پھول

سوگ میں ان کے ڈوبنے والے ہاتھ میں لے ترا

موت سے بازی ہارنے والے ہمت کو مت ہا

ناؤ بڑی مضبوط ہے ساتھی اب نہ ہلے گی چول!

پھول سے جن کو پیار بہت تھا اٹھ گیا انکا پھول

کال نے آکر رستہ روکا ہو گئی منزل دور

ساتھیو آؤ ہم سب مل کر عزم کریں بھرپور!

جانے کتنے کوس چلائے ایک قدم کی بھول!

پھول سے جن کو پیار بہت تھا اٹھ گیا انکا پھول

ماٹی پانی اور ہوا میں نہرو کا احساس!

ایسی طرح گھل مل کے رہے گا پھول میں جیسے باس

سب کو وہ جیون دان کریں گے نہرو کے انمول

پھول سے جن کو پیار بہت تھا اٹھ گیا انکا پھول

اب جو میلے لگیں گے بچّوں کے
کہہ کے چاچا کسے پکاریں گے
کون اب دیگا دادِ معصومی!
رو پڑے گا جسے پکاریں گے

راکھ کیا گا رہی ہے سُنو

ایک بیباک شعلہ تھا میں
آج شعلہ نہیں راکھ ہوں تو

راکھ کیا گا رہی ہے سُنو

اور ادھر بلا لو ہمیں تو
آسماں تک اُٹھا لو ہمیں
راکھ ہوں اور بے دار ہوں
چاہتی ہوں کہ اُڑ جاؤں میں

راکھ کیا گا رہی ہے سُنو

نیلے پُر شوق آکاش پر
اور پھر نیلے آکاش سے
اس طرح سے بکھیر دو مجھے
ماں کی چھاتی پہ بو دو مجھے
میں اسے ڈھک کے اچھی طرح
بھر کے لہجے میں معصومیت
پوچھوں گی کر کے سرگوشیاں

لال تیرا تمہارے پاس ہے
ماں تجھے بھی کچھ احساس ہے
جیتے جی اور مرنے پہ بھی تو
شعلہ اور راکھ کی شکل میں

ہر طرح ماں ترے لال نے
خود کو تیرے حوالے کیا!
ہل گیا سُن کے ماتا کا دل تو
بے زبانی زباں ہو گئی تو
مادرِ ہند کہنے لگی!!!
میرے لال اے جواہر مرے
میں اجازت نہ دوں گی تجھے
ایک لمحہ بھی آرام کی!!!!
لوٹ چل موت کے گھاٹ سے
میں اترنے نہ دوں گی تجھے
سُرخ ہنستے ہوئے سے گلاب
جن کی تازہ کلی کے لئے تو
اب تری راکھ بیتاب ہے

پر تری زندگی کا کنول ہو
مجھ میں کھلتا رہے گا سدا
راکھ کیا گا رہی ہے سُنو
موج دریا کی مانند میں!
بے نیازِ اسیری رہا!
ہاں ترے ہاتھ ہے میری ساکھ
میں ہوں اب سبز خاموش راکھ
راکھ کیا گا رہی ہے سُنو!
جس کی لہروں میں کھیلا ہوں میں
دیکھتی ہوگی وہ میری آس
مجھ میں سے لے کے اک مٹھی راکھ
جاؤ تم لوگ سنگم کے پاس
اور جا کر وہاں شوق سے
راکھ کو نذرِ دریا کرو!!!!
موج جھولا جھلاتی ہوئی
جا کے گنگا میں مل جائے گی
اور گنگا کی لہروں سے میں

ہر سمندر میں آجاؤں گا !
جتنے دنیا میں انسان ہیں !
سب کے ذہنوں پہ چھا جاؤنگا
جو خیالوں میں آباد ہو ! ! !
کوئی اس کو اجاڑے گا کیا
مجھ سے آآ کے پوچھیں گے وہ
درحقیقت جو انسان ہیں !
امن کے دوست یہ تو کہو
کیوں تم آرام کرتے نہیں
تب وہ موج رواں جس کے سر
تاج ہوگا مری راکھ کا
یوں محبت سے دے گی جواب
آؤ سیل لو گلے سے گلے
پھر لگا کر گلے سے گلے
اور اک دوسری موج کو
اپنے احسان کے بار سے
سب کے سر کو جھکاتی ہوئی

سب کو دیتی ہوئی زندگی!
اور با عالم اضطراب؟
لیکے ساتھ اپنے بے چینیاں
موج آگے نکل جائے گی
ہر جگہ پریم کے ساز پر!
امن کے گیت گاتی ہوئی
موج آگے نکل جائے گی
ہر جگہ پریم کے ساز پر
امن کے گیت گاتی ہوئی
موج آگے نکل جائے گی

ایک روسی نظم کا ترجمہ۔

※

جواہرات

مرنے کی ابھی نہیں ہے فرصت، رک جا ذرا اپنا کام کر لوں
کچھ فائلیں رہ گئی ہیں مری اے موت انہیں تمام کر لوں

کیسے نہ کروں گا فرض پورا میں اپنا مقام جانتا ہوں!
اے میری اجل گواہ رہنا آرام حرام جانتا ہوں

ہر حال میں گذار دی مسکراتے مرنا بھی قبول ہے خوشی سے
میں شکر گذار زندگی ہوں شکوہ نہیں مجھ کو زندگی سے

جو کر کے دکھا گئے ہیں نہرو وہ ہو نہ سکے گا اب کسی سے
موت آ کے پسینہ پوچھتی ہے وہ کام لیا ہے زندگی سے

نہرو سا نہ بن سکے گا انساں اتہاس میں بیسویں صدی کے
اس سینے میں دل دھڑک رہا تھا چالیس کروڑ آدمی کے

جاگے بہت تھے فکرِ وطن میں
سوئے ہیں آکر شانتی بن میں

اس بات کو رو رہی تھی دہلی — اب کون کرے گا پاسبانی!
اے دوست وہ زلزلہ نہیں تھا — سر پیٹ رہی تھی راجدھانی

وہ چھوڑ کے جن کو چل دیئے ہیں — ڈرتا ہوں کہ اُن میں چل نہ جائے
منہ موڑ کے ہم سے جانے والے — تاریخ کا رُخ بدل نہ جائے

وہ گنگ و جمن کی گود والا! — موجوں کی طرح رواں دواں تھا
تھا سن کے لحاظ سے تو بوڑھا — عزم آخری سانس تک جواں تھا

تھا سر شریک غم ہمارا! — شام اور عجم بھی رو رہے تھے
کیا موت تھی ایک برہمن کی — ارباب حرم بھی رو رہے تھے

جاتی نہیں دور تک نظر اب — سوچے ہے ذہن کی جو جہاں ہے
آنکھیں تو ہیں بے شمار اب بھی — لیکن وہ نگاہ اب کہاں ہے

پھیری ہے نگاہ جس سے تو نے — رُخ اس سے ہر اک کا پھر گیا ہے
دنیا میں گری ہے ساکھ اسکی — جو تیری نظر سے گر گیا ہے

ہر دور میں آئے گا مورخ ! — آ آ کے ابھارتا رہے گا تو
تم نے تو زبان بند کر لی — اتہاس پکارتا رہے گا !

✤

پربت میں ہے تیرے دل کی دھڑکن — جھرنوں میں رواں ہے زندگانی
یہ باندھ یہ کل یہ کارخانے — کہتے ہیں تری امر کہانی !

✤

تربینی کا قیمتی جواہر تو — اب جس کی ہر اک چمک امر ہے
جمنا تیرے تٹ پہ ہے وہ نہرو — سنگم ترے راج گھاٹ پر ہے

✤

شنکر کا پیغام بھارتی سینا کے نام

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

کبھی کشمیر کا دیا اک انگ
کبھی تبت گنوا کے بیٹھ گئے

کبھی نیفا پہ دیدیا قبضہ
تو کبھی کچھ لٹا کے بیٹھ گئے

جن کو آتا ہے جان دینا وہ
اپنی دھرتی نہیں دیا کرتے

دھرتی ماتا ہے اور دھرتی کا
بیٹے سودا نہیں کیا کرتے

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

ہے جہاں آج دشمنوں کی فوج
وہاں کل دشمنوں کی راکھ رہے

جیو دنیا میں آبرو کے ساتھ
لاکھ جائے تو جائے ساکھ رہے

مجھ کو شکوہ تو اس سے ہے جس نے
نہ لیا کام تم دلیروں سے

کوئی موقع تو دے گرجنے کا
اب بھی جنگل بھرے ہیں شیروں سے

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

کی حفاظت بہت ہمالے نے
اب حفاظت کرو ہمالے کی

جتنی تم اپنی آبرو چاہو!
اتنی عزت کرو شوالے کی۔

کیا ضرورت ہے ایسی دنیا کی — جس میں انسان جی نہیں سکتا
زہر تو ہنس کے پی لیا میں نے — اپنے غصے کو پی نہیں سکتا

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں !
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

بن کے چٹان اب ہمالہ کی — اپنی سیماؤں پہ اڑے رہنا
جب تلک دم نہ توڑ دے طوفاں — تم اسی شان سے کھڑے رہنا
دھوپ تم کو اگر ستائیگی ! — میں جٹاؤں کی چھاؤں نہ دیدونگا
کم اگر ہوگا بازوؤں کا بل — میں تمہیں اپنی بانہہ دے دونگا

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

زندگانی کی ہے کھلی توہین ! — اک سپاہی کا موت سے ڈرنا
میرے ترشول کی تمہیں سوگند — تم کسی بات کا نہ غم کرنا
گولیاں کھا کے گر پڑو گے اگر — میں اٹھا لاؤں گا ہمالے پر
کوئی تکلیف اگر تمہیں ہوگی — میں سلاؤں گا مرگ چھالے پر

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

پیاس تم کو اگر ستائے گی ایک گنگا نئی بہا دوں گا!
جنگ میں تم کرو گے یاد اگر سامنے آ کے دل بڑھاؤں گا
میں تمہیں دوں گا زندگی ایسی کہ اجل تم کو چھو نہ پائے گی!
کبھی بھولے سے آ بھی جائے تو موت گھبرا کے لوٹ جائے گی

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

اپنے دشمن کے خون سے ہر دم اپنی دھرتی کو سرخرو رکھنا
اور ہند کی ہو تم سنتان اپنی ماتا کی آبرو رکھنا
جلد پیچھے ہٹاؤ دشمن کو اگر آگے بڑھے بتا دوں گا
میری دھرتی کا دل ہلے گا اگر سارے سنسار کو ہلا دوں گا

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

سینہ زوری کریں گے جو تم سے ان کے سینوں کو چاک کر دونگا
کچھ میں دشمن ہوں چاہے لاکھوں میں سب کو دم بھر میں خاک کر دونگا
پھیلنے دو تباہیوں کو ذرا حوصلے شتروؤں کے بڑھنے دو
تیسری آنکھ ابھی نہ کھلواؤ پہلے میری بھنویں تو چڑھنے دو

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

چھکّے دشمن کے چھوٹ جائینگے
دیکھ کر جنگ تم دلیروں کی

بھیڑیے منہ چھپا کے بھاگیں گے
کچھ میں ہو گی کچھار شیروں کی

بند ہو گی ڈکار توپوں کی
ہچکیاں لیں گی اب مشین گنیں سو

اٹھ کے تم کو سلامیاں دینگی
ایک دن دشمنوں کی رائفلیں

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

گولیاں تم سے تھر تھرائیں گی !
رائفل جھانکنے لگے گی بغل

بم بھی دشمن کے بول جائیں گے بم
توپ گر گر پڑے گی منھ کے بل

گنگا دھارا کو چھیڑنے والے
موت کے گھاٹ اترنے آئے ہیں

ان کو بننا پڑے گا بھسما سُر
جو تمہیں بھسم کرنے آئے ہیں

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

ظلم ڈھانے دو ظالموں کو اور
ابھی ڈمرو اٹھا نہیں سکتا

چند سیماؤں کی تباہی پر
ساری دنیا ہلا نہیں سکتا

کہیں کرنا پڑا جو تانڈو نرت   ظالموں کو نچا نچا دوں گا
مجھ کو چھیڑا اگر زمانے نے   میں اکیلے پرے مچا دوں گا

میں ہوں شنکر پیام دیتا ہوں
تم کو آج اپنی راجدھانی سے

ہولی کا دوسرا رخ

وینا کے تار ٹوٹے ہیں دنیا اداس ہے
بکھرے ہیں بال ماں کے تو چہرا اداس ہے
بیٹے نہ کیوں اداس ہوں ماتا اداس ہے

گنگا ہے آج سوگ میں جمنا اداس ہے
تربینی رو رہی ہے ترنگا اداس ہے

ابھرے ہیں زخم غرق ہیں نظریں سکوت میں
ڈوبی ہیں دل کی طرح امنگیں سکوت میں
ہے ناؤ سونی سونی سی موجیں سکوت میں

ساحل کی طرح آج ہیں لہریں سکوت میں
مانجھی جو مر گیا ہے تو دریا اداس ہے

جو لال ماں کے ٹوٹے ہوئے دل کی آس ہو
ہے کون آبرو کا جسے اتنا پاس ہو
سمجھے وہی غریب جو غربت شناس ہو

جیسے کسی غریب کا چہرا اداس ہو
آج اس طرح سے دیش ہمارا اداس ہے
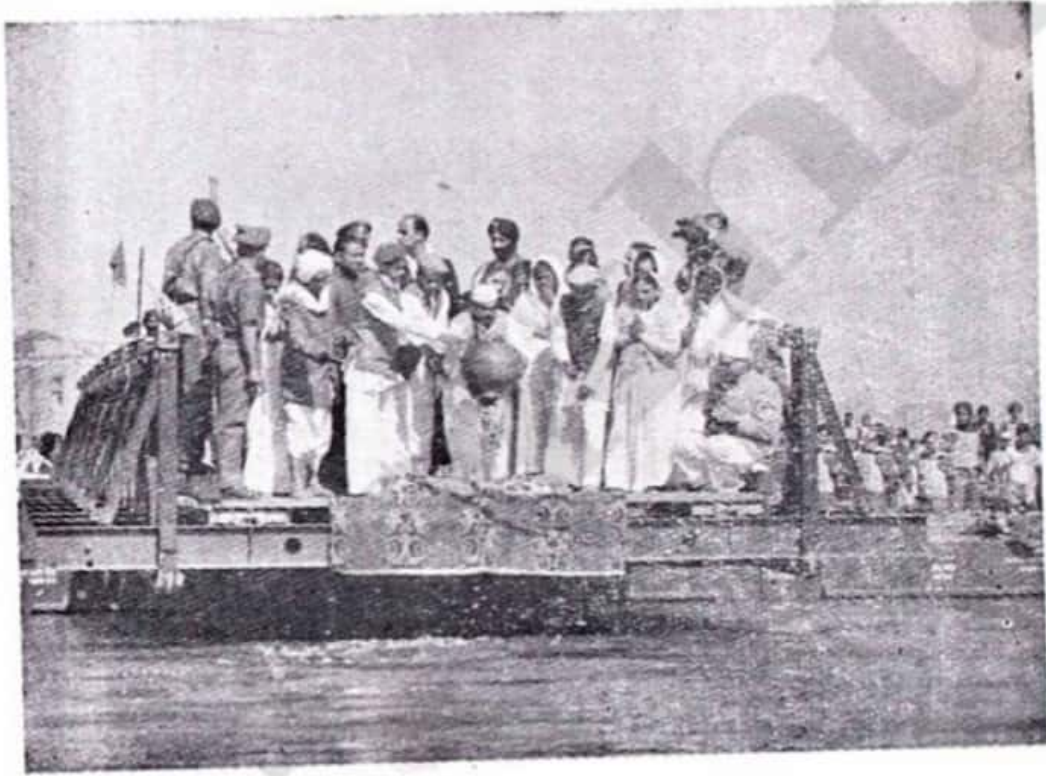
سب کے دلوں کی ڈوبتی کشتی ابھار کے
مانجھی ہمارا ڈوب گیا پار اتار کے ؎

گانے بجانے والوں کا ناگفتنی ہے حال
تانبوں میں آج ساز ہے کوئی نہ سُر نہ تال
رنگ اڑ گیا ابیر کا پھیکا پڑا گلال

اس ما ماں پہ ہو گیا قربان وطن کا لال
چپ چاپ شانتی ہے اہنسا اداس ہے

ہولی کی وہ بہار وہ رنگیں کرم نہیں تو
پچکاریاں جو چلتی ہیں ان میں بھی دم نہیں
سب میں کمی امنگ کی ہے رنگ کم نہیں

اے ماں تجھی کو لال بہادر کا غم نہیں!
تیرے اداس ہونے سے دنیا اداس ہے

آنسو کی طرح بکھری ہیں گیتوں کی پنکتیاں
بجتے ہوئے ستار کو آتی ہیں ہچکیاں!
شہنائیاں بھی بھرتی ہیں رہ رہ کے سسکیاں

جوتیں دلوں پہ کرتی ہیں طبلوں کی تھپکیاں
ڈھولک ہے سوگوار مجیرا اداس ہے

دیش ہی سے بانکپن دیش ہی سے آن بھی

سامنے آندھی بھی ہے سامنے طوفان بھی
آگیا ہے وقت اب دیں گے دشمن بھی جان بھی
دیش ہی کے مان سے سب کا ہے سمان بھی
سب ہے ماتا کے لئے دان بھی بلیدان بھی
دیش ہی سے بانکپن دیش ہی سے آن بھی

آگئے ہیں راہزن چھیننے آزادیاں تو
تم بھی چھینو سینکو جو کیوں یہ جھوکیاں
موت بھی گھبرا اٹھے اتنی دو قربانیاں
دیش کے گورو بھی تم دیش کے ابھیمان بھی
دیش ہی سے بانکپن دیش ہی سے آن بھی

یہ نہ دیکھا جائے گا کیا حسب ہے کیا نسب!
آج سب اک قوم ہیں ایک ہے سب کا لقب
آدمی کی آبرو کارنامے پر ہے اب
زندگی بھی دیش سے زندگی کی شان بھی
دیش ہی سے بانکپن دیش ہی سے آن بھی

خون سے دھوئینگے ہم پاک کی ناپاکیاں
پھینک دی ہیں توڑ کر ہم نے جتنی بیڑیاں
سب کو لاؤ سب سے ہم آج ڈھائیں گولیاں

سر کریں گے جنگ بھی جنگ کا میدان بھی
دیش ہی سے بانکپن دیش ہی سے آن بھی

کل کے مزدوروں کو کیوں کل پڑے محنت بِن
کارخانے بھی نہ کیوں ایک کر دیں رات دن
سب بنیں اتنے کٹھور ہے سمے جتنا کٹھن

دیش پر صدقے بھی سب دیش پر قربان بھی
دیش ہی سے بانکپن دیش ہی سے آن بھی

آگیا بیرا سمے پڑ گئی خطرے میں آن !!!
کیوں نہ ایسے وقت میں بوڑھے بنجائیں جوان
آج سے یہ سوچ لیں دیش کے سارے کسان

جنگ کا سامان ہے کھیت بھی کھلیان بھی
دیش ہی سے بانکپن دیش ہی سے آن بھی

ہم بتائیں گے کہ ہے دیش کی سیما کہاں
حد ہمارے دیش کی لوگ اب سمجھیں یہاں
دشمنوں کی ہڈیاں گاڑ دی جائیں جہاں

دیش کی لیں گے زمیں شتروں کی جان بھی
دیش ہی سے بانکپن دیش ہی سے آن بھی

ٹینکوں کی گھن گرج راکٹوں کی بجلیاں
دے رہی ہیں سب ہمیں زندگی کی گرمیاں
موت کیوں آئے ہمیں موت خود لے ہچکیاں

زندگی بھی ہم سے ہے زندگی کی شان بھی
دیش ہی سے بانکپن دیش ہی سے آن بھی

خون میں ہم لوگ کیا نا دیکھے سکتے نہیں
بزدلی الزام ہے سر یہ لے سکتے نہیں
لاکھوں جانیں دیں گے ہم ساکھ دے سکتے نہیں

جیسی ماں ہے ائے نذیر دیسی ہی سنتان بھی
دیش ہی سے بانکپن دیش ہی سے آن بھی

فوجی بھائیوں کے نام

آج خط لکھتا ہوں فوجی بھائیو تم سب کے نام
ماں کا آشیرواد لو اور اپنے شاعر کا سلام

جان کی بازی لگا کر تم نے یہ بتلا دیا ! ! ! !
جب بڑے خطرے میں آزادی تو جینا ہے حرام

بیٹھتے کس طرح اپنے فرض سے منھ موڑ کر
شیر تھے تم سب نکل آئے کچھاریں چھوڑ کر

اس طرح رن چھیتر میں گرجے کہ بن تھرا گئے
کانپ اٹھی دھرتی پہاڑوں کو پسینے آ گئے

دشمنوں میں پہلے ہی حملے میں بھگدڑ مچ گئی تو
مارنے آئے تھے جو گولے وہ گولی کھا گئے

شتروؤں کے گورے گورے چہرے کالے پڑ گئے
اس طرح پیچھا کیا جینے کے لالے پڑ گئے

ٹینکوں کی گھن گرج وہ راکٹوں کی بجلیاں
وہ برستی آگ وہ سر پہ دھوئیں کی بدلیاں

سامنے رہ اونچے نیچے اور بھیانک راستے
آگے پیچھے دائیں بائیں سنسناتی گولیاں
سارے خونی ساز پر گاتے چلے جاتے ہو تم
دشمنوں کو روندکر آگے بڑھے جاتے ہو تم

ہو کے تم سینہ سپر ہر ایک آفت کے لئے
سر ہتھیلی پر لئے ہم سب کی عزت کے لئے
لے رہے ہو ٹکریں ہنس ہنس کے ہر ناپاک سے
لڑ رہے ہو دیش ماتا کی حفاظت کے لئے

ماں دعائیں کیوں نہ دے ماں کی سپر ہو ڈھال ہو
میرے فوجی بھائیو تم سب بہادر لال ہو
زندگی، دشمن کی للکاریں تمہارے سامنے
بجلیاں ساون کی، تلواریں تمہارے سامنے
جنگ کا میدان تمہارے واسطے اک سیر گاہ
گولیاں، بھاؤں کی بوچھاریں تمہارے سامنے
موت اگر الجھے بدل جائے قرینہ موت کا ٹو
موت کے ماتھے پہ آجائے پسینہ موت کا

دیش کے ہر باپ ماں بھائی بہن کے واسطے

سر ہتھیلی پہ لئے پیارے وطن کے واسطے

چھوڑ کر گھر بار کو اور اپنی آل اولاد کو ! ! !

تم چمن سے دور لڑتے ہو چمن کے واسطے

ہے نظر تم پر وطن کے ایک اک انسان کی ہو

آج تم سب آبرو ہو پورے ہندستان کی

دل تمہاری یاد کی دولت سے مالا مال ہے

تم کو بھی احساس ہے اس کا یہاں جو حال ہے

ساری بہنیں مانتی ہیں تمکو بھائی کی طرح

ساری ماتائیں سمجھتی ہیں کہ میرا لال ہے

کتنی ماتاؤں کی ممتائیں تمہارے ساتھ ہیں

کتنے معصوموں کی آشائیں تمہارے ساتھ ہیں

تان کر سینہ کمر کس کر کسانوں کی طرح ہو

کر رہے ہیں کام بوڑھے بھی جوانوں کی طرح ہو

جنگ جبتک رک نہ جائے سب کو رکنا ہے حرام

چل رہے ہیں سب مشینوں کارخانوں کی طرح

بوڑھے آمادہ بلائیں سر پہ لینے کے لئے

نوجواں تیار اپنا خون دینے کیلئے

آنچ آتی ہے اگر تم پر تو گھبراتے ہیں ہم کو

دکھ پہونچتا ہے تمہیں غمگین ہو جاتے ہیں ہم

سنتے ہیں جس دم تمہارے آگے بڑھنے کی خبر

خون اپنے جسم کا بڑھتا ہوا پاتے ہیں، ہم

جس کو دشمن توڑ دے آ کر یہ تار ایسا نہیں

خون کے رشتے سے کچھ کم دیش کا رشتا نہیں

اس طرح لڑتے ہو تم بھارت کی عزت کے لئے

جیسے بیٹے لڑ رہے ہوں ماں کی عصمت کیلئے

دشمنوں کے ملک کو دوزخ بنا سکتے ہو تم

دیش کی پاکیزہ جنّت کی حفاظت کے لئے

ہر طرح سے مطمئن ہو کر لڑو جی جان سے

لیس ہیں ہم جنگ کے ہر ساز سے سامان سے

چل رہے ہیں ان دنوں سب جنگ کی رفتار پر

ریڈیو پر کان رہتا ہے نظر اخبار پر

تم وہاں جب چھینتے ہو دشمنوں کی چوکیاں

رونق آتی ہے یہاں کے ہر در و دیوار پر

سب کے دل ہیں صاف سب کی بھاؤنائیں نیک ہیں

اب ہمارے دیش کے سب بسنے والے ایک ہیں

میں بنارس کا نواسی کاشی نگری کا فقیر

ہند کا شاعر ہوں شیو کی راجدھانی کا سفیر

لے کے اپنی گود میں گنگا نے پالا ہے مجھے

نام ہے میرا نذیر اور میری نگری بے نظیر

مضطرب رہتا ہوں ہر تازہ خبر کے واسطے

کرتا رہتا ہوں دعا فتح و ظفر کے واسطے
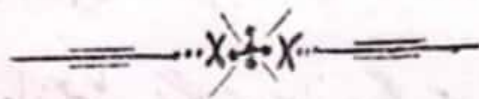
اک روز تو مرنا ہی ہوگا پھر کیوں نہ وطن پہ مر جائیں

اک روز تو مرنا ہی ہوگا پھر کیوں نہ وطن پہ مر جائیں
اتہاس ہمیشہ دہرائے اک کام تو ایسا کر جائیں

چاہے کسی عنوان سے دیکھیں انساں کو اب انساں دیکھینگے
یا سب کے لبوں پہ ہوگی ہنسی یا سب کو پریشاں دیکھینگے
ہم لوگ تو خود ہی طوفاں ہیں اٹھتا ہوا طوفاں کیا دیکھیں
دیکھینگے تو اپنے قدموں پہ جھکتا ہوا طوفاں دیکھیں گے

اک روز تو مرنا ہی ہوگا پھر کیوں نہ وطن پہ مر جائیں
اتہاس ہمیشہ دہرائے اک کام تو ایسا کر جائیں

پھر بَل نہ دکھائے گا کوئی جب ماتھے پہ بَل آجائے گا
آندھی بھی طرح دیجائے گی طوفان بھی کترا جائے گا
دنیا کے نہیں ہیں تار اگر جھنکار سہی تلواروں کی ہو
جو ساز زمانہ چھیڑے گا اس ساز پہ گایا جائے گا

اک روز تو مرنا ہی ہوگا پھر کیوں نہ وطن پہ مر جائیں
اتہاس ہمیشہ دہرائے اک کام تو ایسا کر جائیں

دھرتی کی دھڑکتی ہے چھاتی سُن سُن کے کلیجہ پھٹتا ہے

گھٹ گھٹ کے تو جینے سے ساتھی روزانہ لہو کچھ گھٹتا ہے

سنتے ہیں مصیبت آئے گی۔ آئے گی تو دیکھا جائے گا

میدان سے کائر ہٹتے ہیں ویروں کا قدم کب ہٹتا ہے

اِک روز تو مرنا ہی ہو گا پھر کیوں نہ وطن پر مر جائیں

اتہاس ہمیشہ دہرائے اک کام تو ایسا کر جائیں!

اتنا ہی بڑھیں گے ہم آگے جتنا ہمیں روکا جائے گا

منزل جو کھسکیگی منزل کو خود کھینچ کے لایا جائے گا

دشواریٔ راہِ منزل کو ہٹنا ہو تو پیچھے ہٹ جائے

ہم سے تو کسی حالت میں قدم پیچھے نہ ہٹایا جائے گا

اِک روز تو مرنا ہی ہو گا پھر کیوں نہ وطن پہ مر جائیں

اتہاس ہمیشہ دہرائے اک کام تو ایسا کر جائیں

جینا ہے ہمیشہ کا جینا کیا فائدہ دو دن جینے سے تو

منہ دیکھ لے جو تلواروں میں کیا کام اسے آئینے سے

مرنا تو اسی کا مرنا ہے جو دیش کی خاطر مر جائے!

قسمت تو نذیرؔ اس لال کی ہے ماں جسکو لگائے سینے

اِک روز تو مرنا ہی ہو گا پھر کیوں نہ وطن پہ مر جائیں

اتہاس ہمیشہ دہرائے اک کام تو ایسا کر جائیں

پڑوسی سے دو دو باتیں

رن کچھ میں ہمیں تھے جسنے پیارے　　ہنس ہنس کے تمہاری بات مانی
ہم جنگ سے بچ رہے تھے تم نے　　کشمیر پہ کردی مہربانی

*

تم اوروں کے گت پہ بلبلاتے تھے　　ہم سب تمہیں چھوٹ دے رہے تھے
تم آئے تھے سر ہمارا لینے　　ہم سر کی بلائیں لے رہے تھے

*

سب جان چکے یہاں تمہاری　　اب کوئی کلا نہ چل سکے گی
نفرت کو لیا ہے گود تم نے　　تم پالو یہاں نہ پل سکے گی

*

ایسی کبھی ایکتا نہ دیکھی　　جو آج دکھائی دے رہی ہے
پچاس کروڑ دل کی دھڑکن　　اک ساتھ سنائی دے رہی ہے

*

اللہ کا لے رہے ہو تم نام　　اللہ کا گھر بھی ڈھا رہے ہو
خود چین کا پڑھ رہے ہو کلمہ　　اسلام ہمیں پڑھا رہے ہو

*

ناپاک ارادے اپنے بدلو　　اسلام کو بیچ میں نہ لاؤ
مذہب کا سوال اُٹھانے والو　　فتنہ کوئی دوسرا اُٹھاؤ

ہم بھارتیوں کا ظرف دیکھو　　یہ بھی نہ کہا کہ فتح پائی
بدلے سے شکست دے کے تم کو　　لاٹے تمہیں دیتے ہیں بدھائی

احسان کیا ہے تم نے مجھ پر!　　کشمیر کی چھیڑ کر لڑائی
تم چڑھ کے جو آ گئے تو میری　　جاتی ہوئی ساکھ لوٹ آئی

اعمال خراب ہیں تمہارے　　کشمیر پہ آج بار ہو تم
جنت میں تمہیں نہ رہنے دوں گا　　نکلو کہ گناہ گار ہو تم!

کچھ ہوش ٹھکانے ہو چکے ہیں　　کچھ اور ابھی ٹھکانے ہوں گے
انگور کے کھانے والو تم کو　　لوہے کے چنے چبانے ہوں گے

ہم چال سمجھ رہے ہیں سب کی　　کیتو ہو شنی ہو یا کہ راہو
وقت آئے تو ہم تمہیں بتائیں　　ہیں کتنے حمید کتنے راجو

چمن نواس کا ہے جو خون دے چمن کیلئے

شہید جنگ ہیں ہوتے ہیں جو وطن کے لئے
وطن کی خاک بہت ہے انہیں کفن کے لئے

یہ ہندو سکھ یہ مسلمان یہ عیسائی کیا
چمن نواس کا ہے جو خون دے چمن کے لئے

شکن پڑے نہ اگر زندگی کے ماتھے پر
تو ہر جوان ترس جائے بانکپن کے لئے

قلم لگائیں گے دشمن کا سر قلم کر کے ہم
نئے قلم کی ضرورت ہے اب چمن کے لئے

چھپا کے بیٹھے ہو جوالامکھی کو سینے میں !
یہ روشنی نہیں کم اپنی انجمن کے لئے

سزا دو موت کی اس کو جو ماں سے چال کرے
یہ سرزمین نہیں ہے بدچلن کے لئے

کھلے ہیں سینے پہ زخموں کے لال لال کنول
یہ پھول لے کے چلو مادرِ وطن کے لئے

لہو سے سینچ کے رکھ دیں گے کیاریاں ساری
ہمارے پاس لہو کم نہیں چمن کے لئے

وہ جس کی ٹوٹ گئیں چوڑیاں سہاگ لٹا
نذیرؔ ہم ہیں سگے بھائی اس بہن کے لئے

مری طرف سے ہزاروں سلام اے نذیرؔ
جو لوگ مر کے امر ہو گئے وطن کے لئے

دیوالی

گھٹ گیا اندھیرے کا آج دم اکیلے میں
ہر نظر ٹہلتی ہے روشنی کے میلے میں
آج ڈھونڈنے پر بھی مل سکی نہ تاریکی
موت کھو گئی شاید زندگی کے ریلے میں

اس طرح سے ہنستی ہیں آج دیپ مالائیں
شوخیاں کریں جیسے ساتھ مل کے بالائیں
ہر گلی نئی دولہن ہر سڑک حسینہ ہے
ہر دیہات انگوٹھی ہے ہر نگر نگینہ ہے

پڑ گئی ہے خطرے میں آج یم کی راجی
موت کے بھی ماتھے پر موت کا پسینہ ہے
رات کے کروں میں ہے آج رات کا کنگن
اک سہاگنی بنکر چھا گئی ہے جوگن

تمقمے جلے گھر گھر روشنی ہے پٹ پٹ پر
لے کے کوئی مشعل گھٹ چھا گیا ہے گھٹ گھٹ پر

روشنی کرو لیکن فرض پر نہ آنچ آئے !

ہونگاہ سیاہ اور کان آہٹ پر ہو

ہوشیار ان سے بھی جو نگاہ پھیرے ہیں ! ! !

پاک ہی نہیں تنہا اور بھی لٹیرے ہیں !

چھوڑ اپنی ناپاکی یا بدل دے اپنی دھن !

موت لے گا یا جیون دو ہیں جس کو چاہے چُن

ہم ہیں کرشن کی لیلا ہم ہیں ویر بھارت کے

ہم نکل ہیں ہم سہدیو ہم ہیں بھیم ہم ارجن ہو

دردپدی سے درگھٹنا دور کرکے چھوڑیں گے

اے سمے کے دریودھن چور کرکے چھوڑیں گے

قبر ہو سمادھی ہو سب کو جگمگائیں گے ہو

دھوم سے شہیدوں کا سوگ ہم منائیں گے

تم سے کام لینا ہے ہم کو دیپ مالاؤ

سارے دیپ کی لَو سے دل کی لَو بڑھائینگے

سب سے گرمیاں لے کر سینے میں چھپانا ہے

دل کو اِس دوالی سے اگنی بم بنانا ہے

چار قطعات

دیکھ کر ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہم بول گئے
بم جو برسانے کو آئے تھے وہ بم بول گئے
جیسے ٹینک آئے تھے ویسے ہی ہوئے سب برباد
لوہے جس مول خریدے گئے اس مول گئے

✻

حوصلے دیکھ کے بھارت کے طرحدارونکے
دے سکے ساتھ نہ ہتھیار بھی ہتھیاروں کے
اگنی بم چھوڑ کے بھی چھوٹ گئے جی سب کے
آگ برسا کے بھی دل بجھ گئے بیچاروں کے

✻

موت کی حد میں بھی ہم جا کے ٹہل آئے ہیں
سب کے ناپاک ارادوں کو کچل آئے ہیں
چینیو! تم بھی اگر آئے تو اب خیر نہیں
سب کے سب شیر کچھاروں سے نکل آئے ہیں

✻

عداوت بھی چلی آتی ہے تکمیل کرنے اُن کی
محبت کرکے بھی ہم سے عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں
نہ وہ خود چین سے بیٹھیں نہ ہمکو چین سے لینے دیں ہمکو
پریشاں کرتے جاتے ہیں پریشاں ہوتے جاتے ہیں

مادرِ ہند سے

کیوں نہ ہو ناز انکساری پر　　تیرے قدموں کی دھول ہیں ہم لوگ
آج آئے ہیں تیرے چرنوں میں　　تو جو چھو دے تو پھول ہیں ہم لوگ
دیش بھگتی بھی ہم پہ ناز کرے　　ہمکو آج ایسی دیش بھگتی دے
تیری جانب ہے دشمنوں کی نظر　　اپنے بیٹوں کو اپنی شکتی دے

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا

ماں سمندر کا ظرف دے ہمکو　　اور طوفان کی روانی دے
شستروں کا اتار دے پانی　　آج تلوار کو وہ پانی دے
ایسی سنگین کو دے نوک پلک　　دے نہ موقع پلک جھپکنے کا!
آکے فوراً اچک لے موت اسکو　　جو ارادہ کرے لپکنے کا!

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا

چوک ہو جائے تو چھما کرنا!　　چوک سنتان ہی سے ہوتی ہے
ہو کوئی بھول تو بھلا دینا!　　بھول نادان ہی سے ہوتی ہے

ہو نہ ہمت تو شستر ہیں بیکار
دی ہے طاقت ہمیں تو ہمت دے

سر دیا ہے تو سر فروش بنا
دل دیا ہے تو دل میں جرأت دے

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا

تو نے ہم سب کی لاج رکھ لی ہے
دیش ماتا تجھے ہزاروں سلام

چاہیئے ہم کو تیرا آشیرواد!!!
شستر اٹھاتے ہیں لیکے تیرا نام

لڑکھڑائیں اگر ہمارے قدم
رن میں آکر سنبھالنا — ماتا!

بجلیاں دشمنوں کے دل پہ گریں
اس طرح سے اچھالنا — ماتا!

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا!

تیری اولاد ہندو و مسلم
تیری سنتان سکھ عیسائی بھی

سب ہیں اک قوم تیرے رشتے سے
سب ہیں آپس میں بھائی بھائی بھی

اب لڑیں گے کبھی نہ آپس میں
مل کے ہم لوگ عہد کرتے ہیں!

پا کے تیرے دلار کی تھپکی!
ڈوبتے دل بھی آج ابھرتے ہیں

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا!

ماں ذرا کافروں کی جرأت دیکھ — کہہ رہے ہیں کچل دو بھارت کو
کیوں نہ برہم ہوں تیرے سارے سپوت — ہے یہ چیلنج سب کی غیرت کو
لائق اولاد سن نہیں سکتی — ایسے الفاظ ماں کے بارے میں
جنگ نے پھر پلٹ کے دی آواز — ہم چلے پھر لہو کے دھارے میں

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا!
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا!

ہو گئی بند آج جن کی زباں — کل کا اتہاس انہیں پکارے گا
جو بہادر لہو میں ڈوب گئے — وقت انہیں اور ابھی ابھارے گا
سانس ٹوٹے تو غم نہیں ماتا — جنگ میں دل نہ ٹوٹنے پائے
ہاتھ کٹ جائیں جب بھی ہاتھوں سے — تیرا دامن نہ چھوٹنے پائے

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا!

دیش کرتا ہے اس حمید پہ ناز — جس پہ نازاں ہے آج دھاماپور
فخر اس لفٹنٹ کرنل پہ تو بھی — نام نامی ہے جس کا تاراپور
ماں قسم تجھ کو ان سپوتوں کی — گود میں جن کو لے لیا تو نے
جس طرح اپنے اور بیٹوں کو — جنگ میں سرخرو کیا تو نے

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا

راج گوپال پریتم اور حفیظ — تیرا ہرجیت اور تیرا ابھرام
وہ غلام احمد اور شیواجی — سورگ میں ساتھ کرتے ہیں آرام
آیا صاحب سریندرا اور نرمل — وہ بھگت سنگھ اور جمنا داس
کسی مذہب کے ہوں کہیں کے ہوں — سب تو بھونچے ہیں ماں تمہارے بیٹیں

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا

وہ ترا شیخ تیرا تارا پور! — تیرا پیارا حمید اور مہتا
شیو کی نگری کا اپنا شیو شنکر — تیرا نارائن اور ترا کھنّا
سب ترے نام پر شہید ہوئے — تیاگی زندہ ہیں تیاگ باقی ہے
شترؤں کو جھلس کے رکھدینگے — سب کے سینوں میں آگ باقی ہے

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا

ابھی کرنل سلیم زندہ ہے — ابھی زندہ ہے اپنا چھجّو رام تو
میگھ، بخشی، کیلر، تنیدر، کمار — ہاڈفسے، وہیٹ سب کا ہے نام

وہ پڈبیرا، پٹھانیا، تیجا ! — تیرا شبخون اور ڈھالی وال
سب ترے جنگ آزما بیٹے — جنگ رکنے سے ہو رہے ہیں نڈھال

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا !

ہے اسیر مارشل ترا ارجن ! — چودھری سا کمانڈر انچیف
وار جس کا اچوک وہ چوہان ! — نام سے جنکے کانپتے ہیں حریف
ابھی ایوب خان کی خاطر — تیرا ایوب ہے بقید حیات
تیرا راجو ابھی سلامت ہے — جس نے دشمن کو دی نمایاں مات

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا

چھوٹے بم اپنے اور چھوٹے جہاز — پھر بھی سارا زمانہ حیراں ہے
یہ نہیں جانتے کہ ہم سب کے — سر پہ سایہ کئے ہوئے ماں ہے
ہم جو لیتے جٹا گئے ہوتے ! — شتروؤں کے بھی کیا سیبر جیٹ ہیں
جن پہ تھا ناز ایسے پیٹن ٹینک — آج لوہے کے کوڑے کرکٹ ہیں

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا
اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا

سب ہیں بے چین کھیلنے کو شکار — ٹامی گن، رائفل، مشین گنیں

منتظر ہیں ترے اشارے کی — تیغ اور نوک دار سنگینیں!

بم دھماکے کے واسطے بے چین — توپیں منہ کھول دینے کو بے تاب

دیر ہے تیرے لب ہلانے کی — سب کو منہ توڑ دینگے رن میں جواب

ماں ہمیں رن میں سرخرو رکھنا

اپنے بیٹوں کی آبرو رکھنا

٭

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

بجلیوں کی طرح مسکراتے چلو گولیوں کی طرح سنسناتے چلو
وقت کے ساز پر گنگناتے چلو ساتھیو جاگرن گان گاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

اٹھ کے لہراؤ گنگ و جمن کی طرح اور مسکاؤ صبح وطن کی طرح
پھیلو سورج کی پہلی کرن کی طرح ہر اندھیرے کی دھجی اڑاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

ہو عیاں سب کی شکلوں سے شان وطن زندگی میں وہ پیدا کرو بانکپن!
اک بہادر کے ماتھے پہ جیسے شکن خود بڑھو سب کو آگے بڑھاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

ہر طرح سے سنبھلنا ہے اے ساتھیو مل کے اک ساتھ چلنا ہے اے ساتھیو
وقت کا رخ بدلنا ہے اے ساتھیو ٹھوکریں راستے سے ہٹاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

کچھ ادیب اور کچھ شاعران کرام جنکے منصب ہیں اعلیٰ وہ عالی مقام
آج بھی مصلحت سے جو لیتے ہیں کام ایک ٹھوکر انہیں بھی لگاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

اپنی باہوں کے بل پر ہو ہر بانکپن — ہو کسی کا نہ محتاج اپنا وطن

رائفل اپنی اپنے جہاز اپنی گن — ہر طرح اپنی طاقت بڑھاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

پہنچے صدمہ تو آرام اٹھانا حرام — آبرو جس سے جائے وہ دانا حرام

ساکھ گر جائے جس سے وہ کھانا حرام — ایسے غلّے سے دامن بچاتے چلو!

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

دیش کی ساکھ سے آج ہم ہیں سکھی — تم اندھیرے سے کیوں ہو رہے ہو دکھی

کون سے دن کی خاطر ہے جوالا مکھی — آگ سے آگ دل میں لگاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

مل کے آگے بڑھو ہو کے سینہ سپر — جگمگاتے چلو ہر ڈگر ہر نگر

اپنا جیون بنانا ہے سندر اگر — سب کا جیون سبھائیں سجاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

ہر مصیبت سے آنکھیں ملاتے ہوئے — قہقہہ موت پر بھی لگاتے ہوئے

اپنی راہوں سے کانٹے ہٹاتے ہوئے — ہر قدم پر نئے گل کھلاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

طاقتیں چلتی ہیں دائیں بھی بائیں بھی — ساتھ بہنیں بھی ہیں اور ماتائیں بھی

کم نہیں سورماؤں سے مہیلائیں بھی — مورچے آج گھر گھر بناتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

دل رہے صاف گنگا جلی کی طرح — اور آنکھیں شگفتہ کلی کی طرح

پاؤں انگد سا باہنیں بلی کی طرح — ایک پاکیزہ طوفاں اٹھاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

ڈر ہو شیطاں کا جسکو وہ انساں کیا — جو نہ بیڑا ڈبو دے وہ طوفاں کیا

چوک جائے سے پر تو جوہاں کیا — دشمنوں کو نشانہ بناتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

ہر جواں اپنا شیوا سا جرار ہو! — آج ہر ہاتھ ٹیپو کی تلوار ہو ہو

سب کی للکار رانا کی للکار ہو — جاگو جاگو کا نعرہ لگاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

جوڑتے جاتے ہیں گالیوں کا حساب — گولیاں دینگی سب گالیوں کا جواب

اس سے پہلے کہ تشریف لائیں جناب — چاندماری کا حلقہ بڑھاتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

معرکہ اپنا سر دیکے سر کر گئے — دیش پر مر کے خود کو امر کر گئے

چھوڑ کر گھر کو ہر دل میں گھر کر گئے — اُن کی یادوں سے ہر گھر بساتے چلو

کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

پیاری ماؤں کے لختِ جگر کی قسم ؛ بیوہ بہنوں کی غمگیں نظر کی قسم ؛
دیش کے سب شہیدوں کے سر کی قسم اپنے سر دھڑ کی بازی لگانے چلو
کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

کیوں کھلے گی نہ دل کی کلی اے نذیرؔ خونِ دشمن سے لو تازگی اے نذیرؔ
موت سے چھین لو زندگی اے نذیرؔ چھین کر موت پہ مسکراتے چلو
کوئی سونے نہ پائے جگاتے چلو

اے شہیدانِ وطن تم پر سلام

زندگی صدقے تمہاری جان پر
جان دیدی آبرو پر آن پر
آنچ آنے دی نہ ہندوستان پر

اے دلیران وطن تم پر سلام
اے شہیدان وطن تم پر سلام

رن میں بل کھا کھا کے جمنا کیطرح
ہر ہرائے بڑھ کے گنگا کی طرح
چڑھ گئے دشمن پہ دریا کی طرح

جاں نثارانِ وطن تم پر سلام!
اے شہیدان وطن تم پر سلام

آدمیت سے بھی غداری نہ کی
شہریوں پر تم نے بمباری نہ کی
مر گئے لیکن دل آزاری نہ کی

دین و ایمانِ وطن تم پہ سلام
اے شہیدان وطن تم پر سلام

دیش کی خاطر شہادت پا گئے
مر کے انعام محبّت پا گئے
تم سب اپنی اپنی جنت پا گئے

پاک دامانِ وطن تم پر سلام
اے شہیدانِ وطن تم پر سلام

بنیڈ پر تم سب الاپے دیش راگ
خوں سے کھیلے جنگ کے میدان میں پھاگ
جنکی تم سنتان ان ماؤں کے بھاگ

تم سے ہے شانِ وطن تم پر سلام
اے شہیدانِ وطن تم پر سلام

پھول جیسے گلستاں کی گود میں!
سوئے یوں ہندوستاں کی گود میں
جیسے بیٹے سوئیں ماں کی گود میں

خوش نصیبانِ وطن تم پر سلام
اے شہیدانِ وطن تم پر سلام

دیش ماتا کا نہ دل دکھنے دیا
حملہ آور کو نہیں رکنے دیا
سر دیا سر کو نہیں جھکنے دیا

سرفروشانِ وطن تم پر سلام
اے شہیدانِ وطن تم پر سلام

ویر ناہل دیکھے بل کھانے لگی
زندگی اس طرح لہرانے لگی
رت بھی آئی تو شرمانے لگی

کج کلاہانِ وطن تم پر سلام!
اے شہیدانِ وطن تم پر سلام

چھن گئے سیندور ٹوٹی چوڑیاں
دیوتاؤں کو ہیں روتی دیویاں
ہو گئی گھنتی ہے بھر کر سسکیاں

اے فدایانِ وطن تم پر سلام!
اے شہیدانِ وطن تم پر سلام!

جنگ کے کارن ہوئے ہیں جو اناتھ
دیش ماتا کا ہے ان کے سر پہ ہاتھ

دیش کے سب بسنے والے ان کے ساتھ

غمگساران وطن تم پر سلام ہو ہو

اے شہیدان وطن تم پر سلام

دے کے اک سروس کا سر لیتے گئے

مر کے ہمکو زندگی دیتے گئے!

اپنی کشتی خون میں کھیتے گئے!

ناخدایان وطن تم پر سلام

اے شہیدان وطن تم پر سلام

چاہے مذہب کچھ ہو مسلک ایک ہے

دشمنوں سے سب کی جنگ ایک ہے

آج پورا دیش بے شک ایک ہے

خیر خواہان وطن تم پر سلام

اے شہیدانِ وطن تم پر سلام

کھل کے اب جانوں سے کھیلا جائیگا

ایک اک شترو سے سمجھا جائیگا

آگے جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا

اے شجاعانِ وطن تم پر سلام
اے شہیدانِ وطن تم پر سلام

دل سے یومِ غم مناتے ہیں نذیرؔ
حسن سے آنسو بہاتے ہیں نذیرؔ
سچے موتی کو لٹاتے ہیں نذیرؔ

جاں نثارانِ وطن تم پر سلام
اے شہیدانِ وطن تم پر سلام

تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدانِ وطن

(سنہ ۱۸۵۷ء سے سنہ ۱۹۶۶ء تک کے شہیدانِ وطن کو خراجِ عقیدت)

سرفروشانِ وطن روحِ وطن جانِ وطن

جا کے ہر دشت میں گرجے مرے شیرانِ وطن

بڑھ کے دی جان تو کچھ اور بڑھی شانِ وطن

چڑھ کے سولی سے جو اترے ہو دلیرانِ وطن

تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدانِ وطن

سب کو آزادی کا دیوانہ بنا کر سوئے

نیند انگریزوں کی آنکھوں سے اڑا کر سوئے

تم جو سوئے بھی تو بھارت کو جگا کر سوئے

ناز کرتا ہے وطن تم پہ غلامانِ وطن!

تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدانِ وطن

رانی جھانسی تھی نہ رضیہ تھی نہ زینت باقی

تھی مگر سینہ بہ سینہ وہی جرئت باقی

روشنی دل میں لہو میں تھی حرارت باقی

بجھنے پائی نہ کبھی شمع شبستان وطن
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

سوگ میں کل کوئی آنسو نہ بہا سکتا تھا
لاش کیا آنکھ بھی کوئی نہ اٹھا سکتا تھا
کل تمہیں کوئی کفن بھی نہ پہنا سکتا تھا

کم سے کم آج تو تم اوڑھ لو داما ن وطن
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

سن بیالیس کا طوفان اٹھانے والو!!
اینٹ سے اینٹ حکومت کی بجانے والو
موت کی گود میں بھی جھوم کے گانے والو

تم کو بھولے ہیں نہ بھولینگے فدایان وطن
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

اپنی ماں بہنوں کے زیور دیئے سنتان بھی دی
یہ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ کہیں آن بھی دی
گھر کا سامان دیا گھر بھی دیا جان بھی دی

سب کو قربان کیا خود ہوئے قربان وطن
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

چندر شیکھر کا جگر رکھتے تھے اشفاق کا دل تھا

تم بھگت سنگھ تھے اس دور کے تم تھے بسمل تھا

دے کے سر جنگ کے میدان میں سر کی مشکل

تم نے ہر طرح سے پورا کیا ارمان وطن

تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

سینہ تانے تھے کنور سنگھ کے سینے کی طرح

خون میں ڈوب کے ابھرے ہو سفینے کی طرح

تم ہو تاریخ کے صفحے پہ نگینے کی طرح

خون سے دھوئی ہے گرد رخ تابان وطن

تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

سب کے سب ایک تھے اور ایک تھی سب کی آواز

دے سکے ساتھ نہ ٹینک اور نہ دشمن کے جہاز

تم نے پر توڑے تو کرنے لگیں رجمیں پرواز

سر دیئے اتنے کہ سر ہو گیا میدان وطن !

تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

سبھی ٹیپو سبھی شیوا سبھی پرتاب ہیں آج

جھوم اٹھے روح ظفر ایسے ظفریاب ہیں آج

ہم جو تاریخ زمانہ کے نئے باب ہیں آج

ہے یہ احسان تمہارا ہی دلیران وطن ! ! !

تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

اپنے سوداور نہ دشمن کی زباں کی خاطر

تم لڑے شانتی اور امن و اماں کی خاطر

پرچم امن بنے سارے جہاں کی خاطر

اشک آنکھوں میں لئے ہاتھ میں دامان وطن

تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

تارا پور اور حمید اے جگر و جان وفا !

چاک ہونے نہ دیا تم نے گریبان وفا

مر گئے ہاتھ سے چھوڑا نہیں دامان وفا

نئی تاریخ لکھی تم نے بہ عنوان وطن !

تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

جان دی عین عبادت میں اور ایمان کے ساتھ

خون میں ڈوب کے باپو بھی گئے شان کے ساتھ

ساتھ میں ایسے تپا جیسے ہو سنتان کے ساتھ

نشانئی کیوں نہ ملے تم کو عزیزان وطن !
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

اے مصور تری تصویر نہ جانے دیں گے
جائے سب شوخیٔ تحریر نہ جانے دینگے
جان بھی جائے تو کشمیر نہ جانے دینگے

بیچ کر جان خریدا ہے یہ سامان وطن
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

کبھی افسانہ ہوئے تو کبھی عنوان ہوئے
دلِش پر دل سے فدا دلِش کے انسان ہوئے
سکھ بھی ہندو بھی مسلمان بھی قربان ہوئے

لائق فخر ہو تم صاحب ایمان وطن !
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

جان دے دے کے دیا ہم کو سہارا تم نے
لڑ کے طوفان سے ہمیں پار اتارا تم نے
خون میں ڈوب کے ہم سبکو ابھارا تم نے

زندگی تم پہ نچھاور جگر و جان وطن !
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدان وطن

سکھ تھے ہندو تھے مسلمان تھے عیسائی تھے
پڑ گیا وقت وطن پر تو سگے بھائی تھے
مادرِ ہند کے بازو کی توانائی تھے

دے دیا خون مگر جانے نہ دی شانِ وطن
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدانِ وطن

ویر تھے بھیم کی ارجن کی نشانی تم تھے
نازِ بھارت کو تھا جس پر وہ جوانی تم تھے
واقعی ہند کی تلوار کا پانی تم تھے!

تم نے ہی خون سے سینچا ہے گلستانِ وطن
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدانِ وطن!

جان کو بیچ کے میداں میں اترنے والو
دیش کے واسطے اس جی سے گذرنے والو
تم کو رونا ہے نذیرؔ آج بھی مرنے والو

تم نہیں آج تو سونا ہے گلستانِ وطن!!
تم پہ ہم پھول چڑھاتے ہیں شہیدانِ وطن!

تاشقند سمجھوتہ

کتنی اعلیٰ ظرف نکلی سرزمین تاشقند
ایک دل کی بات دو اہل نظر میں رہ گئی
ایشیا میں تھی لڑائی ایشیا میں طے ہوئی
شکر کرتا ہوں کہ گھر کی بات گھر میں رہ گئی

سارے شعلے پریم کے سانچے میں ڈھل کر رہ گئے
جنگ کے انگارے پھولوں میں بدل کر رہ گئے
ایک ہی شہ میں الٹ کر رہ گئی خونی بساط
چالئے سب اپنی اپنی چال چل کر رہ گئے

حل کریں گے بیٹھ کر آپس میں اپنی مشکلات
دوسروں کے گھر نہ جانے دینگے اپنے گھر کی بات
پھوٹنے تو دیجئے خورشید کی پہلی کرن!!!
لے کے ہچکی آپ اپنی موت مرجائے گی رات

وہ ہماری ہو کہ ان کی سب کی شکل ایک ہے

قافلے دو ہیں مگر دونوں کی منزل ایک ہے

سب ہیں بے چین ایک مرکز پر پہنچنے کے لئے

دل دھڑکتے ہیں کروڑوں مقصد دل ایک ہے

دوہا

جنگ جس سے مات کھا کر رہ گئی وہ گفتگو

ساری دنیا میں کرے گی ہم کو اک دن سرخرو

دستخط تو کرنے والا کر کے دنیا سے گیا

اب ہمیں رکھنا ہے اس کے دستخط کی آبرو

دوہا

آئے دن ملتے رہیں آپس کی ملت زندہ باد

دونوں دیش اور دونوں دیشوں کی محبت زندہ باد

دو رباعیاں

جینے سے کہیں بڑھ کے ہے مرنا تیرا
اب پا نہیں سکتا کوئی رتبا تیرا
تاریخ اب اُس اُس کو کریگی اونچا
جس جس نے اٹھایا ہے جنازا تیرا

شنکر کی طرح خود کو تپایا تم نے
اعجاز بنارس کا دکھایا تم نے
خود زہر پیا سب کو پلا کر امرت
دنیا کو تباہی سے بچایا تم نے

باپجی جو مر گیا ہے تو دریا اُداس ہے

گنگا ہے آج سوگ میں جمنا اداس ہے
تربینی رو رہی ہے ترنگا اداس ہے

وینا کے تار ٹوٹے ہیں دنیا اداس ہے
ماتا کے بال بکھرے ہیں چہرہ اداس ہے

اے ماں تجھی کو لال بہادر کا غم نہیں
تیرے اداس ہونے سے دنیا اداس ہے

امن و اماں پہ ہو گیا قربان وطن کا لال
چپ چاپ شانتی ہے اہنسا اداس ہے

ہندوستاں کی ساکھ بنارس کی آبرو
ایسا سپوت اٹھا ہے کہ گنگا اداس ہے

ساحل کی طرح آج ہیں لہریں سکوت میں
باپجی جو مر گیا ہے تو دریا اداس ہے

جیسے کسی غریب کا چہرہ اداس ہو
آج اس طرح سے دیش ہمارا اداس ہے

ہیں سوگ میں زمانے کے پرچم جھکے ہوئے
میں ہی نہیں اداس زمانہ اداس ہے

کس کو سنانے جاؤں نذیرؔ اپنے دل کا حال
میری طرح ہر ایک کا چہرہ اداس ہے

پھرتا ہے دل میں لاش تمنا لئے ہوئے
ہر بھارتی ہے آج جنازا لئے ہوئے

پاکستان کو ہولی کی دعوت

اس میں تو شک نہیں کہ ثبوت وفا دیا — اے پاک والو اور محبت میں کیا دیا

ہم نے تو اپنا لال بہادر گنوا دیا ! — کرتے ہیں تاشقند کے مہمان کو سلام

نازاں ہے جس پہ صلح اس انسان کو سلام

دشمن کو بھی گلے سے لگانے کا دن ہے آج — ہر پچھلی بات دل سے بھلانے کا دن ہے آج

گذری ہوئی ہنسی میں اُڑانے کا دن ہے آج — پیدا دلوں میں ایک نئی زندگی کریں ہو

روحیں بھی جگمگا اٹھیں وہ روشنی کریں

شہنائی کے چھیڑ دو بینڈ بجانے کے دن گئے — پھولوں سے کھیلو آگ لگانے کے دن گئے

لے آؤ رنگ خون بہانے کے دن گئے — دونوں طرف سے جھوم کے نرناریاں چلیں

بھر بھر کے رنگ رنگ سے پچکاریاں چلیں

دونوں طرف سے ساز محبت چھیڑا رہے — گانے میں تاشقند کی میٹھی صدا رہے

طبلے کی تھاپ تھاپ پہ دل جھومتا رہے — دو دیش ایک رنگ نظر آئیں پھاگ میں

وہ چھیڑے گویّے سنا دیش راگ میں !

نذرانہ خلوص و محبت کرو قبول ہو ہو — آپس کی سرخروئی میں رنگت کرو قبول

اے پاک والو ہولی کی دعوت کرو قبول — یوں پریم اور پیار بھرو انگ انگ میں

رنگ جائیں آج ساتھ کروڑ ایک رنگ میں

جنگ کا دشمن امن کا حامی

گنگ و جمن کی گود کا پالا ہو   سب سے بانکا سب سے نرالا
قد میں چھوٹا پد میں ہمالا ہو   چلتا پھرتا پریم شوالا ہو

امن کی خاطر جنگ کا حامی
لال بہادر اسم گرامی

بیڑے سے پر سامنے آئے   آفت آئی سنکٹ آئے ہو
سب سے الجھے سب پر چھائے   جاتی عظمت واپس لائے ہو

آبرو بن کر گنگ و جمن کی
لاج بچالی پیارے وطن کی

نہرو خصلت گاندھی فطرت   بھارت ماں کے دل کی راحت
ڈیڑھ برس کل عمرِ وزارت   سارا زمانہ محوِ حیرت

دیش کی گرتی ساکھ اٹھادی
چاروں میں دھوم مچادی

تم سوئے ہو اس طرح سے جیسے
بھارت کا نصیب سو گیا ہے

کام زیادہ باتیں تھوڑی ہے
فرض سے اپنی آنکھ نہ موڑی
عہد نہ توڑا سانس ہی توڑی
مٹ گئے لیکن وضع نہ چھوڑی

ڈوب کے جو ہر دل کو ابھارے
کیوں نہ اسے تاریخ پکارے

دیکھ کے مرنے کا بھی قرینہ
موت کو آیا ہوگا پسینہ ہے
لال بہادر ایسا نگینہ
جن سے جگمگ دیش کا سینہ

باغ وطن کے بن کر مالی!
لال نے رکھ لی سب کی لالی

صلح کی جانب ہاتھ بڑھا کے
آپس کے مت بھید مٹا کے
جنگ کے ہر شعلے کو بجھا کے
آگ کو ہنستا پھول بنا کے

جیت کے سب کے دل کو دوبارا
لال وطن کا جہاں سے ہارا

تیرے حوالے دیش کی دولت
گود میں لے گنگا کی امانت
جمنا کرنا ان کی حفاظت
یہ ہیں اکیلے پورے بھارت

جاگے بہت تھے فکر وطن میں
سوئے ہیں آ کر شانتی بن میں

سوگ میں ڈوبی غم میں پلی ہے   ساتھ مرے آنسو کے ڈھلی ہے
کومل دل کی نرم کلی سے ہے   نذر میری شر دھانجلی ہے

جنگ کے دشمن امن کے حامی
میں بھی تجھے دیتا ہوں سلامی

گوندھا ہے جو بوڑھے مالی نے وہ ہار نہ ٹوٹا اے ساتھی

اس شانتی والے داتا سے بیوہار نہ ٹوٹے اے ساتھی
ہم جھولتے ہیں جھولا جس پر وہ تار نہ ٹوٹے اے ساتھی

کیوں روک رہا ہے بڑھنے دے اس پریم لتا کو بڑھنے دے
بہتا ہے جو آنسو بہنے دے یہ تار نہ ٹوٹے اے ساتھی

ہر لوک کی باتیں تو چلکر پر لوک میں سمجھی جائیں گی!
ہم سب کی محبت کا بندھن اس پار نہ ٹوٹے اے ساتھی

وہ کام کریں ہم کیوں جس سے بھارت کے پتا کا دل ٹوٹے
مندر کا کلس یا مسجد کا مینار نہ ٹوٹے اے ساتھی

ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، آپس میں رہیں بھائی بھائی
گوندھا ہے جو بوڑھے مالی نے وہ ہار نہ ٹوٹے اے ساتھی

اس وقت تلک سکھ ساگر کی لہروں سے نہ کھیلا جائیگا
اس دیش دروہی کی جب تک تلوار نہ ٹوٹے اے ساتھی

جینا ہو کہ مرنا اے ساتھی سب ساتھ کا اچھا ہوتا ہے
دم ٹوٹے تو ٹوٹے آپس کا بیوہار نہ ٹوٹے اے ساتھی

رکھنا ہے نذیرؔ ان کو جو شکھی اپدیش کا ان کے پالن کر کو ٹو
اِس تار سے وہ سنتے ہیں خبر یہ تار نہ ٹوٹے اے ساتھی

دیش سنگار

آؤ امواج بہاراں کی طرح بل کھائیں
کبھی کوثر کبھی گنگا کی طرح لہرائیں
مل کے اس طرح محبت کے ترانے گائیں
جھوم کر مسجد و مندر بھی گلے مل جائیں

آڑ مذہب کی نہ لیکر کوئی بیداد کرے
بندگی یوں کریں ہم تم کہ خدا یاد کرے

کیا نئی چیز کوئی شیخ کی دستار میں ہے
وہی رشتہ تو ہے اُس میں بھی جو زنار میں ہے
یہ لڑائی تو خریدار خریدار میں ہے
نقص جلوے میں نہیں طالب دیدار میں ہے

جلوہ یوں رقص کرے جلوہ نما جھوم اٹھے
وہ محبّت کی صدا دو کہ خدا جھوم اٹھے!

دیش کا حسن زمانے کو دکھانا ہے ابھی
چاند تاروں کو بھی حیران بنانا ہے ابھی
مانگ چوٹی سے ہمالہ کو سجانا ہے ابھی
شمع کیلاش کے پربت پہ جلانا ہے ابھی
شمع وہ شمع جو ہر گھر میں اجالا کر دے
ساری دنیا کا اندھیرا تہ و بالا کر دے

کتنے پربت ہیں جو سر اپنا جھکائیں گے ابھی
کھیت کتنے ہیں جو بالوں کو بچھائیں گے ابھی
کتنے دریا ترے پیر آکے دھلائیں گے ابھی
کتنے جھرنے تجھے آئینہ دکھائیں گے ابھی

اے مرے پیارے وطن تجھ کو سنورنا ہوگا
تو حسیں ہے تجھے اِک روز نکھرنا ہوگا

ہر ندی ایک حسینہ کی طرح بل کھائے
ہر روش ریشمی ساری کی طرح لہرائے
ہر ڈگر چونچی کی دلہن کی طرح شرمائے
دیکھیں نظریں تو مناظر کو حیا آجائے

اپنی دھرتی کی جوانی ابھی بھرپور نہیں؛
مانگ ہے مانگ یہ ہنستا ہوا سیندور نہیں

سر ترے سامنے سرکش کو جھکانا ہوگا!
اٹھ کے طوفاں کو ترا ناز اٹھانا ہوگا!
تیری آواز میں آواز ملانا ہوگا!
حادثوں کو بھی ترے ساز پہ گانا ہوگا

زندگی آئے گی آزادیِ کامل کی قسم؛
مشکلیں گھٹنے کو ہیں بڑھتے ہوئے دل کی قسم

ایک دن قسمتِ ہر اہلِ وفا بدلے گی
دل بجھے جاتے ہیں جس سے وہ ہوا بدلے گی
جس سے شرمندہ وطن ہے وہ ادا بدلے گی
اے نذیرؔ ایک نہ اک روز فضا بدلے گی

سب کے چہرے پہ ہنسی آئے گی نور آئیگا!
آئے گا آئے گا وہ دن بھی ضرور آئیگا!

تاشقند کے بعد

ہر تمنا سر بہ زانو ہے ابھی!
ہر نظر مصروفِ تزئینِ چمن!

ہر روش اپنی محبت کی روش
قاصدِ امن و اماں اپنا چلن

جو بھی چاہے آ کے صورت دیکھ لے
آئینہ ہے اپنا آئینِ چمن

ہر نظر یوں پاک ہونا چاہیئے
جس طرح سے صبح کی پہلی کرن

سب کو یکساں جگمگانا چاہیئے
وہ کوئی محفل ہو اب یا انجمن

آپ اب کیوں مائلِ تخریب ہیں
ہم ہیں جب مصروفِ تعمیرِ چمن

ہم زباں دیکر بدل سکتے نہیں
زندگی چاہے بدل دے پیرہن

چل رہے ہیں آپ جس انداز سے
یہ نہیں راہِ محبّت کا چلن

ہے زباں پر ذکرِ پیمانِ وفا!
اور ساری حرکتیں پیماں شکن

یاں فرشتہ بھی اجازت لیکے آئے
یہ ہے میرا اپنا فردوسِ وطن ہے

پھر جہنم سے نہ بچ سکیگا آپ
آنچ بھی آئی اگر سوئے چمن

امنِ عالم کی حفاظت کے لئے
باندھ سکتے ہیں ابھی سر سے کفن

اب اگر خطرے میں آیا بانکپن ہے
ہر شکن ماتھے کی ہوگی صف شکن

ہر اک مشکل کو اب آساں بنا سکتے ہیں ہم دونوں

محبت کو بروئے کار لا سکتے ہیں ہم دونوں بھی

زمانے بھر کو سینے سے لگا سکتے ہیں ہم دونوں

دلوں کی باہمی تلخی مٹا سکتے ہیں ہم دونوں

حجابِ درمیاں اب بھی اٹھا سکتے ہیں ہم دونوں

بدل سکتے ہیں شعلے آج بھی موجِ بہاراں میں

ہر انگارا گلِ خنداں بنا سکتے ہیں ہم دونوں

جسے سنتے ہی شکوے شکر میں تبدیل ہو جائیں

دلوں کے ساز پر وہ گیت گا سکتے ہیں ہم دونوں

نہ پڑنے دیں اگر گردِ کدورت شیشۂ دل پر

محبت کو بھی آئینہ دکھا سکتے ہیں ہم دونوں

اگر تخریب کا رُخ جانبِ تعمیر ہو جائے

وطن کو جنتِ ارضی بنا سکتے ہیں ہم دونوں!

فقط بارِ محبت ہی اک ایسا بار ہے جس سے

ہر اک اٹھتا ہوا فتنہ دبا سکتے ہیں ہم دونوں!

رہِ امن و اماں وہ راہ ہے جس راہ پر چل کر

خدا شاہد زمانے بھر پہ چھا سکتے ہیں ہم دونوں

کہاں جائے گی ہم دونوں سے منزل سرکشی کر کے

نیا جادہ نئی منزل بنا سکتے ہیں ہم دونوں

نذیرؔ اللہ رکھے اتحادِ باہمی قائم

ہر اک مشکل کو اب آساں بنا سکتے ہیں ہم دونوں

جھلکیاں

مجھے امید ہے کہ حالیہ ہند و پاک جنگ تحریک آزادی اور قوم کے شہیدوں کی یاد میں لکھی ہوئی یہ نظمیں ہمارے ادب میں ایک بیش قیمت اضافہ ثابت ہوں گی۔

"ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن"

●

نذیر بنارسی "عوامی شاعر" ہیں ان کے کلام میں ہمیں عوام کے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔

"ڈاکٹر ذاکر حسین"

●

نذیر بنارسی کی نظمیں "دیش پریم" کا سرگم ہیں۔ بھارت کی دھرتی ان نظموں میں گا رہی ہے۔ نذیر بنارسی نے بھارت کی دھرتی کے سنگیت کی آواز میں اپنی آواز ملا دی ہے۔

"فراق گورکھپوری"

●

جب کبھی نذیر صاحب کی نظموں کو سننے کا موقع ملتا ہے تو بے ساختہ طبیعت اس طرف کھنچ جاتی ہے۔ ان کی تصنیف ان سب محاسن سے سجی ہوئی ہوتی ہے جو میری سمجھ میں نظم کو دل تک پہنچا دیتی ہے۔

"ڈاکٹر سمپورنانند"

●

سب ہی معنی میں نذیر بنارسی "راشٹریہ کوی" ہیں۔

"کرشن دیو پرشاد گوڑ"

●

اگر نذیر صاحب کے لئے یہ کہا جائے کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے عملی نمونہ ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔

"سری سری پرکاش"

●

موضوعات کتنے ہی سیاسی اور واقعاتی کیوں نہ ہوں نذیر کی فن کاری سب میں شعریت اور جاذبیت بھر دیتی ہے۔

"علی جواد زیدی"

کتاب ملنے کا پتہ } ہندی پرچارک پستکالیہ پشاچ موچن؛ وارانسی۔ نمبر ۱۔
ہندی پرچارک پستکالیہ ۱/۱۹۰ مہاتما گاندھی روڈ؛ کلکتہ نمبر ۷